اجتہاد اور تقلید

مُصنّف

حضرت علامہ مولانا محمد ناظم علی مصباحی

تخریج

محمد سراج احمد مصباحی سیتامڑھی

سنی پبلیکیشنز

اجتہاد اور تقلید

مصنف

حضرت علامہ و مولانا محمد ناظم علی مصباحی

استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی

تخریج

محمد سراج احمد مصباحی سیتامڑھی

(اختصاص فی الحدیث، سال اول)

ناشر

سنی پبلیکیشن، دھلی

نام کتاب	:	**اجتہاد اور تقلید**
مصنف	:	حضرت مولانا ناظم علی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور
تخریج	:	محمد سراج احمد مصباحی سیتامڑھی، اختصاص فی الحدیث (سال اول)
کمپوزنگ	:	مولانا گلریز رضا مصباحی
تزئین کار	:	محمد اسلم مصباحی 81275025201
صفحات	:	۸۸
تعداد	:	۱۱۰۰
سن اشاعت	:	۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء
ناشر	:	سنی پبلیکیشن، دہلی
قیمت	:	۷۰

ملنے کے پتے:

(۱) کتب خانہ امجدیہ جامع مسجد، دہلی۔

(۲) عرشی کتاب گھر، حیدرآباد۔

(۳) ناز بکڈپو، بمبئی۔

(۴) مکتبہ صوت الاولیا، اسلام آباد، کشمیر۔

تقدیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا و مصلیا و مسلما

قرآن کریم کے روشن نصوص اور نبی اکرم سید عالم ﷺ کی مبارک حدیثوں اور صحابہ کرام رضی عنہم کے آثار مبارکہ سے اجتہاد و تقلید کی حقانیت آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن ہے مگر کچھ لوگ ان روشن حقائق کی پردہ پوشی کرتے اور اپنی خواہش نفس کو فروغ دیتے ہیں اور اجتہاد و تقلید کے خلاف آئے دن ہنگامہ آرائی کرتے ہیں، جبکہ قرآن کریم کے روشن نصوص، احادیث مبارکہ وآثار صحابہ میں غور و فکر کرنے سے اس بات کا انکشاف تام اور اذعان کامل ہوتا ہے کہ: اجتہاد واستنباط کی استعداد و صلاحیت رکھنے والی قد آور شخصیتوں کے لیے اجتہاد و ستنباط کی اجازت ہے اور جو شخص جامع شرائط اجتہاد نہیں اسے تقلید سے مفر نہیں قرآن کریم کا ارشاد پاک ہے: '' فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' اجتہاد و تقلید کے خلاف ہنگامہ آرائی کرنے والا طبقہ جو سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی عداوت و دشمنی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا اور یہ کہتا ہے کہ: آج بھی اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے بند نہیں ہوا اس لیے اجتہاد و استنباط سے روکنا انصاف کا تقاضا نہیں اسے یہ نہیں معلوم کہ: اجتہاد کی جو شرطیں درکار ہیں کیا آج کسی میں موجود بھی ہیں کہ اسے اجتہاد کی اجازت ہو جو لوگ من مانی اجتہاد کرتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ: انھوں نے اخذ و سرقہ سے کام لیا اور کہیں کہیں ہوائے نفس کی اتباع کی اور فقہ کے پاکیزہ سرمایہ اور عظیم امانت کو پراگندہ کرکے رکھ دیا اور اس کا نام اجتہاد رکھ دیا، علمائے اہل سنت نے تحقیقات و تدقیقات کے ذریعہ ان کی ناپاک آرزوؤں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا اور یہ روشن فرما دیا کہ: علم سے دور رفتہ اجتہاد کا جھوٹا دعوی کرنے والے غیر مقلدین محض جاہل مطلق ہیں، اجتہاد و استنباط سے کوسوں دور رفتہ ہیں، صرف زبانی جمع

وخرچ سے کام چلاتے ہیں، اہل سنت سے توصیحین کی حدیثوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود ان سے جابجا انحراف کرتے اور قیاس ورائے سے استدلال کرتے ہیں، یہ کیا تماشا ہے ؟زیر نظر کتاب ” اجتہادو تقلید“میں اجتہاد وتقلید کی شرعی حیثیت اور اس کی شرطوں کے حوالہ سے گفتگو کی گئ ہے اور سراج الامہ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد پاک:”اذا صح الحدیث فھو مذھبی“(جب صحیح حدیث مل جائے تووہی میرا مذہب ہے)”اترکوا قولی بخبر الرسول “ (رسول پاک ﷺ کی حدیث پاک ثابت ہوجانے پر میرا قول چھوڑ دو)کی توضیح کی گئ ہے اور اس کی غلط توضیح وتفہیم کرنے والوں کی خوب خوب خبر گیری کی گئ ہے اس کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اسلام وسنیت کا صحیح درد اور حق کی ترویج واشاعت کا جذبۂ صادق رکھنے والے محمد زبیر قادری صاحب سابق ایڈیٹر :افکار رضا ممبئ،ناشر سنی پبلیکیشنز نے اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری قبول فرماکر اجتہاد و تقلید کے خلاف رونما فتنہ کا سر قلم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اللہ عزوجل انھیں دارین میں اس کا بہتر صلہ عطا فرمائے، ہر گام ہر شاد کام فرمائے،ان کے دینی وملی کاموں نیک منصوبوں میں روز افزونی ترقی عطا فرمائے رکاوٹوں کو دور فرمائے، مزید دینی خدمات کی توفیق رفیق بخشے اور اسلام دشمن طاقتوں کا سر قلم کرنے اور گلشن اسلام کو سر سبز و شاداب رکھنے میں ہمہ دم سرگرم عمل رکھے۔آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین علیہ وعلی آلہٖ و صحبہٖ ازکی التسلیم .

محمد ناظم علی رضوی
استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی
۸؍ربیع الآخر۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلى على حبيبه النبي الكريم و على اله و أصحابه أجمعين

....

لغت میں اجتہاد کا معنی ”کوشش کرنا ہے“ اور اصطلاح میں: حکم شرعی نظری کی تحصیل میں فقیہ کا اس قدر کوشش کرنا کہ اس سے زیادہ کوشش کرنے سے اپنے آپ کو عاجز پائے، حضرت علامہ عبد الحلیم فرنگی محلی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ ”حاشیۂ قمر الأقمار“ میں ”مختصر المنار“ کے متن ”وشرط الاجتهاد“ کے تحت فرماتے ہیں:

”قوله: الاجتهاد فالقياس والاستحسان يتوقفان على الاجتهاد وهو (الاجتهاد) بذل الفقيه طاقته في استخراج الحكم الشرعي النظرى بحيث يحسّ عن نفسه العجز عن المزيد عليه.“[۱]

حضرت بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی نے حضرت علامہ محب اللہ بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ تعریف مقرر رکھی: کسی ظنی حکم شرعی کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اپنی طاقت خرچ کرنا جیسا کہ ”فواتح الرحموت“ میں ہے:

”الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه في تحصيل حكم شرعي ظني.“[۲]

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”مجتہد جس شی کی طلبِ جزمی، حتمی کا اذعان کرے اگر وہ اذعان بدرجۂ یقین معتبر فی اصول الدین ہو (اور اس تقدیر پر مسئلہ نہ ہوگا مگر مجمع علیہ جمیع ائمۂ دین) تو وہ فرض اعتقادی ہوگا جس کا منکر عند الفقہا مطلقاً کافر اور متکلّمین کے نزدیک (منکر اس وقت کافر ہے۔ ۱۲ق) جب کہ مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہو اور یہی عند المحققین احوط اور اسدّ (زیادہ احتیاط والا اور زیادہ

---

(۱) حاشیۂ قمر الأقمار مبحث الاجتهاد، ص: ۲۵۰، مطبوعه مجلس بركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور.

(۲) خاتمة: الاجتهاد، تعريفه دار احياء التراث العربي.

درست۔ ۱۲اق) اور ہمارے اساتذۂ کرام کا مُعوَّل و معتمد (وثوق و اعتماد والا۔ ۱۲اق) ہے ورنہ (یعنی اگر اس مسئلہ پر تمام ائمہ کا اتفاق نہیں ہے تو ۱۲اق) واجب اعتقادی ہے پھر اگر مجتہد کو بنظر دلائل شرعیہ جو اس پر ظاہر ہوئے اس کی طلب جزمی میں اصلاً شبہہ نہیں بایں وجہ کہ اس کی نظر میں اس شی کا وجود شرط صحت و براءتِ ذمہ بمعنیٰ علوم بقائے اشتغال قطعی ہے یعنی اگر وہ کسی عمل میں فرض ہو تو بے اس کے وہ عمل باطل محض ہو اور مستقل مطلوب ہے تو بے اس کے براءتِ ذمہ نہ ہونے پر اسے جزم ہو تو فرض عملی ہے، اور اگر خود اس کی رائے میں بھی طلب جزمی، جزمی نہیں تو واجب عملی، کہ بغیر اس کے حکم صحت حاصل براءتِ ذمہ محتمل۔" (۱)

نیز یقین کے اقسام و درجات کی تحقیق و تفصیل فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"فربما يؤدي ذهن عالم إلى قرائن هجمت و حفت فرفعت عنده الظني إلى منصَّة اليقين ولا تظهر ذالك لغيره أو تظهر فتظهر له معارضات تردها إلى المرتبة الأولى من الظن واعتبره بمسئلة سمعها صحابي: من النبي صلي الله تعالىٰ عليه وسلم شِفَاهًا و بلغ غيره بإخباره فهو قطعي عنده، ظني عندهم: فالمجتهد لا يثبت الافتراض إلا بما حصل له القطع به فإن كان العلماء كلهم قاطعين به كان فرضا اعتقاديا وإن كان قطعا خاصًا بهذا المجتهد كان فرضا عمليا هذا ماظهرلي وأرجو أن يكون صوابا إن شاء الله تعالىٰ وإليه أشرت فيما قررت فاعرِف."

"یعنی بعض اوقات ایک عالم کا ذہن کثرتِ قرائن کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو اس کے نزدیک دلیل ظنی کو یقین کے مقام تک پہنچا دیتے ہیں جب کہ یہ قرائن دوسرے عالم کو حاصل نہیں ہوتے یا اس کے نزدیک یہ قرائن ظاہر تو ہوتے ہیں لیکن ان کے مخالف قرائن بھی اس کے سامنے ہوتے ہیں جن کی بنا پر وہ دلیل پھر اپنے اس ظنی مقام پر چلی جاتی ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ: کسی صحابی نے ایک مسئلہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے براہِ راست سنا وہی مسئلہ ان کے بیان کرنے سے کسی تابعی کو پہنچا وہ مسئلہ صحابی کے نزدیک قطعی اور دوسروں

(۱) فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج: ۱، ص: ۱۸۰ تا ۱۸۵۔

کے نزدیک ظنی ہے تو مجتہد صرف اس چیز کو فرض قرار دیتا ہے جس کا اسے یقین حاصل ہو گیا ہو، پھر اگر تمام مجتہدین کو اس کا یقین ہو تو وہ فرض اعتقادی ہے اور اگر صرف اس مجتہد کو یقین ہو تو وہ فرض عملی ہے۔ یہ وہ تفصیل ہے جو مجھے ظاہر ہوئی اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہی تحقیق درست ہوگی، میں نے مسئلہ بیان کرتے وقت اسی طرف اشارہ کیا ہے۔"[۱]

مزید علامہ شامی کی کتاب "ردالمحتار" کے حوالہ سے اس کو محقق و مبرہن فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ثم إن المجتهد قديقوي عنده الدليل الظني حتى يصير قر يبا عنده من القطعي فما ثبت به بسميه فرضا عمليا لأنه يعامل معاملة الفرض فی وجوب العمل و يسمی واجبا نظرا إلی ظنية دليله فهو أقوی نوعَي الواجب وأضعف نوعي الفرض بل قد يصل خبر الواحد عنده إلی حد القطعي ولذا قالوا انه إذا كان متلقى بالقبول جاز إثبات الركن به حتی ثبتت ركنية الوقوف بعرفات بقوله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم. "الحج عرفة."[۲]

"پھر بعض اوقات مجتہد کے نزدیک دلیل ظنی اتنی قوی ہوجاتی ہے کہ وہ قطعی کے قریب جا پہنچتی ہے ایسی دلیل سے جو چیز ثابت ہوتی ہے مجتہد اسے فرض عملی کا نام دیتا ہے کیوں کہ عمل کے واجب ہونے میں اس کے ساتھ فرض والا معاملہ کیا جاتا ہے اسے واجب بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس کی دلیل (بنیادی طور پر ۱۲ق) ظنی ہوتی ہے تو یہ عمل واجب کی دو قسموں میں سے قوی اور فرض کی دو قسموں میں سے کمزور ہے بلکہ بعض اوقات خبر واحد، مجتہد کے نزدیک قطعی کی حد کو پہنچ جاتی ہے اسی لیے فقہا فرماتے ہیں کہ: جب خبر واحد کو مجتہدین نے سند قبولیت عطا کردی ہو تو اس سے رکن بھی ثابت کیا جاسکتا ہے چناں چہ عرفات میں وقوف کا

---

(۱) فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج:۱، ص:۱۸۷ تا ۱۸۸، کتاب الطهارة باب الوضوء رساله الجُود الحلو فی ارکان الوضوء.

(۲) ردالمحتار: المطبوع در المختار، کتاب الطهارة، مطلب فی فرض القطعی والظنی ص:۲۰۷، ج:۱.

رکنِ حج ہونا نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہے کہ ”حج عرفہ ہے۔“م“[1]

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے اس محققانہ کلام سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ کبھی مجتہد کو اپنی رائے پر ایسا یقین ہوتا ہے کہ اس سے فرض اعتقادی ثابت ہوتا ہے جو فرض کی سب سے اعظم و اعلیٰ قسم ہے جس کا ثبوت اور اثبات یقینی ہو اور طلب جازم پر دلالت کرے یہ اس وقت ہے جب کہ تمام مجتہدین کو اس کا یقین ہو اور اگر صرف اس مجتہد کو یقین ہے تو وہ فرض عملی ہے جو فرض اعتقادی سے عام مطلقًا اور واجب اعتقادی سے عام من وجہٍ ہو گا تو مجتہد کے اجتہاد سے ثابت ہونے والا حکم شرعی صرف ظنی ہی نہیں ہوتا بلکہ کبھی یقین کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتا ہے جس کا تمام ائمۂ مجتہدین کو یقین ہوتا ہے، اور یہ اس کے برخلاف نہیں جو اہلِ اصول نے فرمایا:

”وحكمه (حكم الاجتهاد) الإصابة بغالب الرأي دون اليقين حتىٰ قلنا: إن المجتهد يخطئ و يصيب والحق في موضع الخلاف واحد ولكن لايعلم ذالك الواحد باليقين فلهذا قلنا بحقية المذاهب الأربعة.“[2]

ترجمہ: اور اجتہاد کا حکم یہ ہے کہ: اس کے ذریعہ غلبۂ ظن حاصل ہوتا ہے، حکم یقینی نہیں یہاں تک کہ ہم نے یہ کہا کہ: مجتہد سے خطا ہوتی ہے اور صواب و درستگی پر ہوتا ہے اور مقام خلاف میں حق ایک ہے لیکن یقین سے وہ ایک معلوم نہیں اسی لیے ہم نے یہ کہا کہ: چاروں مذاہب حق ہیں۔

اس لیے کہ مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی لکھنوی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا:

”أي إصابة الحكم الشرعي بحسب الظن الغالب بحيث يبقى فيه احتمال الجانب المخالف وهذا الحكم باعتبار الغالب فإن الاجتهاد قد

---

(۱) فتاویٰ رضویہ مترجم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ج:۱، ص:۱۹۰ تا ۱۹۱، کتاب الطہارۃ باب الوضوء رسالہ الجُود الحلو فی أرکان الوضوء.

(۲) مختصر المنار مع شرحہ نور الأنوار ملخصاً، مبحث الاجتہاد، ص: ۲۵۰، مطبوعہ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور.

يفيد القطع كما قد مر في أوائل الكتاب ." [1]

یعنی ارباب اصول نے جو یہ فرمایا کہ: اجتہاد کا حکم یہ ہے کہ: حکم شرعی تک مجتہد کی رسائی ظن غالب کے اعتبار سے اس طرح ہو کہ اس میں جانب مخالف کا احتمال باقی رہے یہ عام حالات کے اعتبار سے ہے کیوں کہ کبھی مجتہد کا اجتہاد مفید یقین ہوتا ہے۔

نیز "فواتح الرحموت" میں ماتن کے قول:

"وأما التقيد بالظني فمبنى على أن النظرية تستلزم الظنية لأنها إما لضعف دلالة المتن أو السند وفيه مافيه" (ترجمہ: لیکن ظنی کے ساتھ اس بنیاد پر مقید کیا گیا کہ: نظری شئ ظن کو مستلزم ہوتی ہے اس لیے کہ ظنی ہونا یا تو اس لیے ہے کہ متن یا سند کی دلالت میں ضعف ہے اور یہ چیز محل نظر ہے) کے تحت ہے:

"لأن مبنى النظرية على الخفاء والخفي ربما يكون قطعيا، فتأمل فيه ." (ترجمہ: اس لیے کہ نظری ہونا خفی ہونے کی بنیاد پر ہے اور خفی شئ بسا اوقات قطعی ہوتی ہے اس لیے اس بارے میں غور و فکر کرنا چاہیے) [2]

قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت کریمہ اجتہاد کے جواز کی روشن دلیل ہے:

" وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا " [3]

"اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا ایک جھگڑا چکاتے تھے جب رات کو اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں چھوٹیں اور ہم ان کے حکم کے وقت حاضر تھے ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکومت اور علم عطا کیا۔"

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریوں نے گھس کر کھیت کا نقصان کر دیا حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں جب یہ مقدمہ

---

(۱) حاشیہ قمر الأقمار، ص: ۲۵۰، مبحث الاجتہاد.

(۲) خاتمۃ: الاجتہاد، تعریفہ، ج:۲، ص: ٤١٥، دار احیاء التراث العربی.

(۳) قرآن مجید، پ: ۱۷، الانبیاء، ع: ٦، آیت: ۷۸، ۷۹.

پیش ہوا تو آپ نے یہ تجویز کی کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں بکریوں کی قیمت کھیتی کے نقصان کے برابر تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جب یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ: فریقین کے لیے اس سے زیادہ آسانی کی شکل بھی ہو سکتی ہے اس وقت حضرت کی عمر شریف گیارہ سال کی تھی حضرت داؤد علیہ السلام نے آپ پر لازم فرمایا کہ وہ صورت بیان فرمائیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ تجویز پیش کی کہ: بکری والا کاشت کرے اور جب تک کھیتی اس حالت کو نہیں پہنچے جس حالت میں بکریوں نے کھائی ہے اس وقت تک کھیتی والا بکریوں کے دودھ وغیرہ سے نفع اٹھائے اور کھیتی اس حالت پر پہنچ جانے کے بعد کھیتی والے کو دے دی جائے بکری والے کو اس کی بکریاں واپس کر دی جائیں یہ تجویز حضرت داؤد علیہ السلام نے پسند فرمائی اس معاملہ میں یہ دونوں حکم اجتہادی تھے اور اس شریعت کے مطابق تھے ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ: اگر چرانے والا ساتھ نہ ہو تو جانور جو نقصانات کرے اس کا ضمان لازم نہیں۔ (۱)

اس آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ: قضیہ کا حکم کتاب و سنت میں نہ ملے اجتہاد کی صلاحیت واہلیت رکھنے والے علما کو اس میں اجتہاد کا حق ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قضیہ کے حل کی دو صورتیں ہوں ایک کی بنیاد قیاس ظاہر پر ہو اور دوسرے کی قیاس خفی پر تو قیاس ظاہر کے مقابلہ میں استحسان کو ترجیح دینا چاہیے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا۔

"تفسیر جلالین" میں ہے: "وحكمهما بإجتهاد ورجع داؤد إلى سليمان وقيل بوحي والثاني ناسخ للأول." (۲)

ان دونوں حضرات کا حکم اجتہادی تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اجتہاد کی طرف رجوع فرما لیا اور ایک قول یہ ہے کہ: ان دونوں کا حکم وحی الٰہی کی بنا پر تھا اور وحی ثانی پہلی وحی سے ثابت شدہ حکم کی ناسخ ہے۔

قرآنِ کریم کی طرح احادیث مبارکہ میں اجتہاد کے جواز کی روشن شہادتیں موجود ہیں، "نسائی شریف" میں حضرت طارق سے روایت ہے:

(۱) مدارک التنزیل ص:۱۲۰ سورہ الانبیاء، مجلس برکات۔

(۲) تفسیر الجلالین ص:۲۷۵، مجلس برکات۔

”أن رجلا أجنب فلم يصل فأتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فذكر له ذالك فقال أصبت فأجنب اٰخر فتيمم وصلى فأتاه فقال نحو ما قال للآخر يعني أصبت.“(۱)

”کہ ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہوئی اس نے نماز نہ پڑھی پھر اس نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنا سارا واقعہ ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے ٹھیک کیا، پھر اسی طرح ایک دوسرے شخص کو نہانے کی حاجت ہوگئی انھوں نے تیمم کرکے نماز ادا کی، پھر وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے بھی اسی طرح فرمایا جس طرح ان سے پہلے والے شخص سے فرمایا تھا یعنی تم نے ٹھیک کیا۔“

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ان حضرات نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا کیوں کہ اگر انھیں اس سلسلے میں نص کی اطلاع ہوتی تو پھر عمل کے بعد سوال کی ضرورت نہ تھی، حضور اقدس ﷺ کا ان دونوں حضرات کے اجتہاد اور اس پر عمل پر انکار کے بجائے ان کی تحسین و تصویب فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ جس نو پیدا مسئلہ میں کوئی حکم شرعی نص سے معلوم نہ ہو اس کے حکم کے استخراج کے لیے اصحاب نظر کا اپنی طاقت و قوت صرف کرنا اور اجتہاد کے ذریعہ حکم شرعی کا استنباط کرنا اور اس مستخرج و مستنبط حکم پر عمل کرنا جائز و درست ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ: کسی نو پیدا مسئلہ میں اصحاب نظر مجتہدین کی نظریں مختلف ہوں تو اس اختلاف نظر و فکر کے بعد ہر ایک اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے، اگرچہ نفس الامر میں حق کوئی ایک ہی ہے اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کا دونوں حضرات سے یہ فرمانا کہ: ”تم نے ٹھیک کیا جب کہ نفس الامر میں ٹھیک ایک ہی ہے۔“ کا معنیٰ یہ ہے کہ: تم دونوں نے حکم شرعی کے استنباط و استخراج کے لیے اپنی پوری کوشش کی اس لیے اجر و ثواب اور صلہ و انعام کے مستحق ہو اس کا ہرگز یہ معنیٰ نہیں کہ حکم واضح ہوجانے کے بعد بھی ہر ایک کو اختیار ہے چاہے تیمم کرے اور چاہے نہ کرے اور چاہے نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

---

(۱) سنن نسائی، باب فی من لم یجد الماء و لا الصعید، کتاب الطہارۃ، ص:۳۶، ج:۱، دار الکتب العلمیہ بیروت۔

"إحتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل فأشفقت أن اغتسلت أن أهلك فَتَيَمَّمْتُ ثم صليت بأصحابي الصبح فذكروا للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يا عمرو! صليت بأصحابك وأنت جنب فأخبرته بالذى مَنَعَنِيْ من الاغتسال وقلت: إني سمعت أن الله عزوجل يقول: "وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾" فضحك رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولم يقل شيئًا."(۱)

"مجھے غزوۃ ذات السلاسل کے سفر میں ایک سرد رات میں احتلام ہوگیا اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر غسل کروں گا تو شاید ہلاک ہوجاؤں گا میں نے تیمم کرکے اپنے ہم راہیوں کو صبح کی نماز پڑھادی ان لوگوں نے نبی پاک ﷺ سے اس واقعہ کو ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اے عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھادی، میں نے آپ کو غسل سے مانع امر کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ: میں نے اللہ عزوجل کو یہ فرماتے سنا کہ: "اپنی جانوں کو قتل مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔" تو نبی پاک ﷺ نے زیر لب تبسم فرمایا اور کچھ نہ کہا۔

"بخاری شریف" میں یہی حدیث پاک اس طرح مذکور ہے: "إن عمرو بن العاص أجنب في ليلة باردة فتيمم وتلا: "وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾" فذكر ذلك للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلم يعنف."(۲)

"ایک سرد رات میں حضرت عمرو بن العاص کو احتلام ہوگیا تو انھوں نے تیمم کیا اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی: "اپنی جانوں کو قتل مت کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔" تو نبی پاک ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ملامت نہیں کی۔"

اس حدیث پاک سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ نبی پاک ﷺ کے مبارک عہد میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجتہاد کرتے جیساکہ حضرت عمرو بن العاص نے اس پیش آمدہ مسئلہ میں اجتہاد فرمایا اور اپنی ممکن طاقت وقوت سے حکم شرعی کا استنباط فرمایا اور اس پر عمل کیا اور نبی

(۱) مستدرک علی الصحیحین، کتاب الطہارۃ، باب عدم الغسل للجنابۃ فی شدۃ البرد، ص:۴۱۱، ج:۱، دارالمعرفہ بیروت
(۲) الصحیح للبخاری، باب إذا خاف الجنب علی نفسہ المرض اوالموت، ص:۴۹، ج:۱، مجلس برکات

پاک ﷺ سے اپنے اس اجتہاد اور عمل بالاجتہاد کا ذکر کیا سرکار نے اس پر ملامت نہ فرمائی بلکہ زیر لب تبسم فرمایا، شارع امت ﷺ کا اس اجتہاد اور عمل بالاجتہاد پر ملامت نہ فرمانا بلکہ اسے ثابت و مقرر رکھنا اجتہاد اور عمل بالاجتہاد کے جواز و عدم امتناع کا ثبوت فراہم کرتا ہے اگر اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے صاحبان نظر کا اجتہاد کرنا ناجائز و حرام ہوتا تو حضور اقدس ﷺ ضرور اس پر ملامت وانکار فرماتے اور حق و صواب کی راہ کی ہدایت فرماتے اور اس وجہِ استدلال کی تردید فرماتے علامہ عینی نے اس حدیث کے تحت ارشاد فرمایا کہ: اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ نبی پاک ﷺ کے عہد میں بھی اجتہاد ہوتا تھا۔(۱)

اس روشن حقیقت کا انکار وہی کر سکتا ہے جس کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اس حدیث پاک میں صاف لفظوں میں ہے کہ: حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا کہ: کیا تم نے جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھادی تو حضرت عمرو بن العاص نے وجہِ استدلال اور اخذ واستنباط پیش فرمایا اور یہ عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے جانوں کو ہلاک کرنے سے منع فرمایا اور مجھے جان کی ہلاکت کا قوی اندیشہ تھا۔ یہ اخذ واستنباط اور استخراج واجتہاد نہیں تو پھر کیا ہے؟

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ جب غزوۂ احزاب سے لوٹے تو آپ نے فرمایا: ”لا يصلين أحد إلا في بني قريظة فأدرك بعضهم العصر وقال بعضهم: لا نصلي حتى نأتيها وقال بعضهم: بل نصلي لم يرد منا ذالك فذكر ذالك للنبي ﷺ فلم يعنف أحدا منهم“(۲)

”بنو قریظہ ہی میں نماز پڑھنا، راستہ میں نماز عصر کا وقت ہو گیا بعض صحابہ نے کہا: ہم بنو قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے اور بعض نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مذکور کا یہ معنیٰ نہیں ہم نماز پڑھیں گے۔ بعد میں نبی پاک ﷺ کی خدمت میں اس مسئلہ کا ذکر ہوا تو آپ نے ان دونوں فریقوں میں سے، کسی کو ملامت نہ فرمائی۔“

یہ حدیث پاک اس بات کی روشن دلیل ہے کہ: عہد رسالت مآب ﷺ میں

(۱) عمدة القاری، ج: ٤، ص: ٣٤.
(۲) بخاری شریف، ج:۱، ص:۱۲۹، مجلس برکات۔

اصحاب نظر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم جب کسی پیش آمدہ مسئلہ کا صریح حکم کتاب و سنت میں نہ پاتے تو اجتہاد فرماتے اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اس اجتہاد پر ملامت و انکار نہ فرماتے اگرچہ مجتہدین صحابہ کی رائیں مختلف ہوتیں ظاہر ہے کہ اس مقام پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد پاک: ”لا يصلين أحد إلا في بني قريظة.“

”ہرگز کوئی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ میں۔“

کے معنٰی و مفہوم اور مراد میں اصحاب نظر کا اختلاف رونما ہوا جیسا کہ اس حدیث میں وارد لفظ: ”بل نصلي لم يرد منا ذالك.“

بلکہ ہم راستہ ہی میں نماز پڑھیں گے سرکار کے اس ارشاد پاک کا وہ ظاہری معنٰی نہیں۔

اس بات کی روشن دلیل ہے ان حضرات کے نزدیک دو دلیلیں متعارض ہوگئیں ایک تو سرکار کا ارشاد: ”تم میں سے کوئی بنو قریظہ پہنچے بغیر نماز نہ پڑھے۔“ اور دوسری طرف اللہ عزوجل کا ارشاد پاک: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا(۱۰۳) [(۱)]

بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے

بعض صحابہ نے حدیث پاک کے ظاہری معنٰی پر عمل کیا اور بنو قریظہ ہی میں نماز پڑھی راستہ میں نماز نہ پڑھی اور دوسرے صحابہ کرام نے سرکار کے اس ارشاد کا ظاہری معنٰی نہ لیا بلکہ اسے جلد پہنچنے پر محمول فرمایا کہ اس سے سرکار کی مراد بنو قریظہ جلد پہنچنا ہے نہ کہ عصر کی نماز کو مؤخر کر کے بنو قریظہ ہی میں پڑھنا اب اگر ہمیں دیر ہوگئی ہے اور بنو قریظہ کے بجائے راستہ ہی میں نماز عصر کا وقت آگیا ہے تو ہم نماز عصر کو مؤخر نہ کریں گے بلکہ نماز پڑھ کر روانہ ہوں گے۔ یہ در حقیقت مجتہدین صحابہ کا اخذ و استنباط اور استخراج و اجتہاد تھا جس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دونوں فریقوں میں سے کسی کو ملامت نہ فرمائی بلکہ اس کو ثابت و مقرر رکھا جس سے اجتہاد کی اہلیت رکھنے والوں کے اجتہاد و استنباط کے جواز کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی نے ”عمدة القاری شرح صحیح بخاری“ میں فرمایا کہ:

”حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان دونوں فریقوں میں سے کسی کی اس لیے ملامت نہ

---

(۱) سورہ نساء: پ:۵، آیت ۱۰۳۔

فرمائی کہ ان میں سے ہر ایک نے اجتہاد کیا۔"(۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

"خرج رجلان في سفر فحضرت الصلاة وليس معهما ماء فتيمّما صعيدا طيبا فصليا ثم وجدا الماء في الوقت فأعاد أحدهما الصلاة بوضوء ولم يعد الآخر ثم أتيا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فذكرا ذالك فقال للذي لم يعدْ: أصبت السنة وأجزأتك صلاتك وقال للذي توضأ وأعاد: لك الأجر مرتين.(۲)

"دو آدمی سفر پر گئے تو نماز کا وقت آگیا اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا ان دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر نماز کے وقت میں انھیں پانی ملا تو ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز لوٹالی اور دوسرے نے نماز نہ دہرائی پھر یہ دونوں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے ذکر کیا تو جس شخص نے نماز نہ لوٹائی آپ نے اس سے فرمایا کہ: تو نے سنت کے موافق کیا اور تمھاری ادا کردہ نماز تمھیں کافی ہوگئی اور جس نے وضو کر کے نماز لوٹائی اس سے فرمایا کہ: تمھیں دونا اجر و ثواب ملا۔"

اس حدیث کو امام ابوداؤد، دارمی اور نسائی وغیرہ محدثین نے روایت کیا۔

یہ حدیث پاک بھی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ: رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں اصحاب نظر صحابۂ کرام جب کسی پیش آمدہ مسئلہ میں کتاب و سنت میں واضح حکم نہ پاتے تو اخذ و استنباط اور استخراج و اجتہاد فرماتے اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر انکار و ملامت نہ فرماتے اگرچہ ان کے اجتہاد سے حاصل شدہ احکام شرعیہ مختلف ہوتے بلکہ صاف لفظوں میں ان کی تحسین و تصویب فرماتے جیسا کہ وقت رہتے ہوئے پانی پاکر وضو کر کے نماز نہ لوٹانے والے شخص سے "أصبت السنة وأجزأتك صلاتك" (تم نے سنت کے مطابق کیا اور تمھاری نماز تمھیں کافی ہوگئی) فرمانا اور وضو کر کے اعادہ کرنے والے کو یہ مژدۂ جاں فزا سنانا:

"لك الأجر مرتين." (تمھارے لیے دونا اجر و ثواب ہے۔)

(۱) عمدة القاری شرح صحیح بخاری، ج:٦، ص:٢٦٥.

(۲) ابوداؤد، کتاب الطهارة، باب المتيمم يجد الماء، ص:۴۹، ج:۱، دار الکتب العلمیہ بیروت.

اس امر کی روشن دلیل ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا:

"كيف تقضي؟ فقال: أقضي بما في كتاب الله قال: فإن لم يكن في كتاب الله قال: فبسنة رسول الله قال: فإن لم يكن في سنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أجتهد برائي قال: الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله."(۱)

"تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انھوں نے عرض کیا: میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ تو عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت میں تصریح نہ ہو؟ تو عرض کیا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا آپ نے فرمایا: تمام تعریف اس اللہ کے لیے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نمائندے کو توفیق بخشی۔

اور "سنن ابو داؤد" میں یوں ہے: "الحمد لله الذي وفق رسولَ رسولِ الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما يرضى رسول الله."(۲)

تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق بخشی جو رسول اللہ کو پسند ہے۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان دونوں نے کہا: "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا حكم الحاكم فاجتهد وأصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد وأخطأ فله أجر واحد."(۳)

"جب حاکم (مجتہد) (ارادۂ) حکم کرلے پھر اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ کرے تو اس کے

---

(۱) سنن ترمذی، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، ج:۱، ص:۱۵۹، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب الأقضیة، باب اجتهاد الرأی فی القضاء، حدیث:۳۵۸۹ ص:۶۰۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان.

(۳) الصحیح للبخاری باب اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب أو اخطأ، ص:۱۰۹۲، ج:۲

لیے دو اجر ہیں اور جس وقت (ارادۃً) حکم کرے تو اجتہاد کرنے اور فیصلہ کرنے میں خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔"

یہ حدیث پاک اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے اصحاب نظر کے اجتہاد کے جائز ہونے کی روشن دلیل ہے اور اس سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ جس کسی قضیہ کا حل کتاب و سنت میں واضح طور پر نہ ملے اس وقت صاحب نظر کا اجتہاد کرنا اور اجتہاد سے حاصل شدہ حکم کے مطابق فیصلہ کرنا حضور اقدس ﷺ کو اس درجہ پسند ہے کہ آپ نے اس امر پر اللہ عزوجل کی حمد فرمائی کہ اس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس چیز کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔ اگر اجتہاد شجرۂ ممنوعہ ہوتا تو حضور اقدس ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے سختی سے روک دیتے اور اس پر اللہ کی حمد نہ فرماتے اور یہ نہ فرماتے کہ: صحیح فیصلہ کرنے والے مجتہد کو دو اجر ملتے ہیں اور کوشش کے باوجود فیصلہ میں خطا کرنے والے کو ایک اجر ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز شرعاً مذموم و منکر ہو اس پر اجر و ثواب کے استحقاق کا کیا معنیٰ؟ امام نووی شارح صحیح مسلم نے اس حدیث کی شرح میں لکھا:

"قال العلماء: أجمع المسلمون على أن هذا الحديث في حاكمٍ عالمٍ أهلٍ للحكم فإن أصاب فله أجران: أجر باجتهاده وأجر بإصابته وفي هذا الحديث محذوف تقديره: إذا أراد الحاكم فاجتهد قالوا: فأما من ليس بأهل للحكم فلا يحل له الحكم، فإن حكم فلا أجر له بل هو اٰثم، ولا ينفذ حكمه، سواء وافق الحق أم لا، لأن إصابته إتفاقية ليست صادرة عن أصل شرعي: فهو عاصٍ في جميع أحكامه سواء وافق الصواب أم لا، وهي مردودة كلها ولا يعذر في شئي من ذالك وقد جاء في الحديث في السنن: "القضاة ثلاثة: قاضٍ في الجنة، وإثنان في النار قاضٍ عرف الحق فقضى به فهو في الجنة وقاضٍ عرف الحق فقضى بخلافه فهو في النار وقاضٍ قضى على جهل فهو في النار.""[1]

(۱) المنهاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج علی هامش مسلم، الثانی،: ۷٦، مجلس برکات، جامعه اشرفیه، مبارك پور، اعظم گڑھ.

”علمانے فرمایا کہ: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ: یہ حدیث اس حاکم کے بارے میں ہے جو حکم کی اہلیت رکھتا ہے تو اگر وہ صحیح فیصلہ کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں ایک: اجتہاد کا اور دوسرا: صحیح فیصلہ کا، اور اگر اس نے خطا کی تو بھی اس کو اس کے اجتہاد کا ایک اجر ملتا ہے، اور حدیث میں لفظ محذوف ہے جس کی تقدیر یہ ہے: ”جب حاکم فیصلہ کا ارادہ کرے تو اجتہاد کرے۔“ اور علمانے فرمایا: جو شخص فیصلہ کا اہل نہیں (غیر مجتہد ہے) تو اس کو حکم دینا حلال نہیں اگر حکم دے گا تو اس کو کوئی اجر نہ ملے گا بلکہ وہ گنہ گار ہوگا اور اس کا حکم جاری نہ ہوگا خواہ حق ہو یا ناحق، اس لیے کہ اس کا درستگی پر ہونا ایک اتفاقی امر ہے کسی اصل شرعی سے صادر نہیں تو وہ (غیر مجتہد) اپنے تمام احکام میں گنہ گار ہے، چاہے درستگی کے موافق ہو یا نہ ہو اس کے سب حکم مردود ہیں اور اس کا کوئی عذر مقبول و مسموع نہ ہوگا اور بے شک حدیث سنن میں آیا ہے کہ: قاضی تین ہیں: ایک قاضی جنت میں اور دو دوزخ میں ہیں۔ جس قاضی نے حق کو جانا اور ویسا ہی حکم کیا تو وہ جنت میں ہے اور جس قاضی نے حق پہچان کر اس کے خلاف حکم کیا تو وہ دوزخ میں ہے اور جس قاضی نے جہالت ولاعلمی کے باوجود فیصلہ کیا وہ بھی دوزخ میں ہے۔“

نبی پاک سید عالم ﷺ کے مبارک زمانہ میں جس طرح صحابۂ کرام کتاب و سنت میں پیش آمدہ مسئلہ کا صریح حکم نہ پاکر اجتہاد فرماتے تھے اسی طرح عہدِ رسالت کے بعد دور صحابۂ کرام میں بھی اجتہاد و استنباط کے ذریعہ معاملات کا فیصلہ کیا جاتا عہد رسالت کے بعد اخذ و استنباط اور اجتہاد و استخراج کا مبارک سلسلہ منقطع نہ ہوا بلکہ جاری و ساری رہا جس کے بے شمار شواہد ہیں۔ مقتول کی بیوی اپنے مقتول شوہر کی دیت سے وارث ہوگی یا نہیں ہوگی اس سلسلے میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ: وارث نہ ہوگی آپ کا یہ حکم آپ کی اجتہادی رائے کی بنا پر تھا اس لیے کہ آپ کو اس بارے میں کتاب و سنت میں صریح حکم کا علم نہ تھا جب آپ کو اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پاک کا علم ہوا کہ: آپ مقتول کی بیوی کو اس کے مقتول شوہر کی دیت سے میراث عطا فرماتے تھے تو آپ نے اجتہاد پر مبنی رائے سے حدیث پاک میں مذکور حکم کی طرف رجوع فرمالیا۔ ”ترمذی“ میں ہے:

”عن سعید بن المسیب أن عمر كان يقول: الدية على العَاقلةِ حتى

أخبره الضحاك ابن سفيان الكلا بي أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كتب إليه أن ورِّثِ امرأة أَشْيَمْ الضِبَابِي من دية زوجها قال أبو عيسى: هذا الحديث حسن صحيح.“[1]

”سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: عاقلہ پر دیت ہے اور بیوی اپنے شوہر کی دیت سے کچھ حصہ نہیں پاتی تو ضحاک ابن سفیان کلابی نے انھیں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں یہ لکھا کہ: ”اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے شوہر کی دیت سے حصہ دلا دو۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

اور محمد بن منتشر سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ:

”إن رجلا نذر أن يَنْحَرَ نفسه إن نجاه الله من عدوه فسئل ابن عباس فقال له: سل مسروقًا فسأله فقال له: لا تنحر نفسك فإنك إن كنت مؤمنا قتلت نفسا مؤمنة وإن كنت كافرة تعجلت إلى النار واشترِ كبشًا فاذبحه للمساكين فإن إسحاق خير منك وفدى بكبش فأخبر ابن عباس فقال: هكذا كنت أردت أن أفتيك، رواه رزين.“[2]

”ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ: اگر اللہ عزوجل نے اسے اس کے دشمن سے نجات بخشی تو اللہ کی راہ میں اپنی جان کی قربانی پیش کرے گا تو اس شخص نے عبد اللہ ابن عباس سے اس کا حکم پوچھا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ: مسروق سے اس کا حکم معلوم کرو تو آپ نے اس سے فرمایا کہ: تم اپنی جان کو قربان نہ کرو کیوں کہ اگر تم مؤمن ہو (عند اللہ یا نفس الامر میں) تو تم نے ایک مؤمن جان کو قتل کیا اور اگر کافر ہو تو جہنم کی طرف جلدی کی اور ایک مینڈھا خرید کر اسے مسکینوں کے لیے ذبح کرو کیوں کہ اسحاق علیہ السلام تم سے افضل و بہتر تھے اور آپ کے فدیہ میں ایک مینڈھا کی قربانی پیش کی گئی جب عبد اللہ ابن عباس کو اس حکم کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا

---

(۱) ترمذی کتاب الدیات، باب ماجاء فی المرأة هل ترث من دية زوجها، ج: ۲، ص: ۳۲، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

(۲) مشکاۃ المصابیح، باب فی النذور، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔

کہ: یہی حکم شرع میں تمھیں بتانا چاہتا تھا، اس حدیث کو رزین نے روایت کیا۔“

اس حدیث کا مضمون بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ: حضرت مسروق نے سائل کے پیش آمدہ مسئلہ کا جو حل اور حکم شرعی بیان فرمایا، جس کی موافقت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی فرمائی، اجتہاد پر مبنی تھا جو عہد رسالت کے بعد دور صحابہ میں بھی جاری وساری تھا جس کے مطابق حل پیش کیے جاتے۔

”روی أن ابن مسعود سأل عمن تزوج امرأة ولم يسم لها مهرًا حتى مات عنها فاجتهد شهرًا شيئًا ولكن وقال بعد ذلك: ما سمعت من رسول الله أجتهد برائي فإن أَصَبْتُ فمن الله وإن أخطأت فمني ومن الشيطان أرى لهامهر مثل نساءها لا وكس ولا شطط فقام معقل بن سنان وقال: أشهد أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قضى في بردع بنت واشق مثل قضاءك فسر ابن مسعود سرورا لَمْ يُرَ مثله قَطُّ لموافقة قضاءه قضاء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقال علي: وحسبها الميراث ولا مهر لها.“(۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ جو شخص مہر مقرر کیے بغیر انتقال کر جائے اس کی بیوی مہر پائے گی یا نہیں؟ آپ نے ایک مہینہ تک غور وخوض کرنے کے بعد فرمایا کہ: اس سلسلے میں میں نے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا ہے، ہاں اپنے اجتہاد سے بتاتا ہوں اگر میرا اجتہاد صحیح و درست ہو تو اللہ کی توفیق سے ہوگا اور اگر نادرست ہو تو میری سمجھ کا قصور اور شیطان کا بہکاوا ہوگا، میرے اجتہاد میں وہ عورت مہر مثل یعنی اس خاندان کی اسی طرح کی دوسری عورت کا جو مہر ہے وہی مہر پائے گی نہ کم نہ زیادہ تو معقل بن سنان نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بردع بنت واشق کے بارے میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا تو عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی انھیں اتنا خوش ہوتے نہ دیکھا گیا اس لیے کہ آپ کا فیصلہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلہ کے موافق تھا۔ اور اس کے برخلاف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: وہ

(۱) نور الأنوار، ص:۱۸۴، بیان أحوال الراوی، مطبوعہ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ.

عورت مہر نہیں پائے گی صرف میراث میں اس کا حصہ ہو گا۔

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پیش آمدہ مسئلہ کا جو حکم مستنبط فرمایا اجتہاد کی بنا پر تھا اس لیے کہ کتاب وسنت میں انھیں اس کا حکم نہ ملا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تحفۂ اثنا عشریہ" میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قیاس و اجتہاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: قیاس کی روایتیں مذہب اثنا عشریہ کی معتمد کتابوں میں بھی بہ طریق صحیح موجود ہیں انھیں میں سے وہ روایت بھی ہے جسے ابو جعفر طوسی نے "تھذیب" میں ابو جعفر محمد بن علی باقر سے روایت کیا وہ کہتے ہیں:

"جمع عمر بن الخطاب أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: ماتقولون في الرجل ياتي أهله ولا ينزل؟ فقالت الأنصار: والماء من الماء وقال المهاجرون: إذا التقى الختانان وجب الغسل فقال عمر رضي الله تعالىٰ عنه لعلي: ماتقول يا أبا الحسن؟ فقال: أتوجبون عليه الحدَّ ولا توجبون عليه صاعًا من ماء؟"(۱)

"عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کو جمع کیا اور فرمایا: اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اپنی بیوی سے قریب ہوا اور انزال نہیں ہوا؟ تو انصار نے کہا کہ: منی نکلنے ہی سے غسل واجب ہوتا ہے اور مہاجرین نے کہا کہ: جب شوہر اور بیوی دونوں کے ختنے باہم مل جائیں تو غسل واجب ہوتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ: اے ابو الحسن آپ کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ایسے شخص پر آپ لوگ حد تو واجب کرتے ہیں تو کیا اس پر ایک صاع پانی بہانا واجب نہیں کریں گے۔"؟

ظاہر ہے کہ جب انصار و مہاجرین کے درمیان اس پیش آمدہ قضیہ کے بارے میں اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استفسار پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حکم بیان فرمایا وہ قیاس و اجتہاد کی بنا پر تھا جس سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد عہد صحابہ میں بھی جب کوئی حکم شرعی کتاب وسنت میں نہ ملتا تو اجتہاد کے ذریعہ اس حکم کو واضح کیا جاتا اور محض

(۱) کنز العمال، موجب الغسل ص:۹۷۸، ج:ا بیت الافکار الدولیۃ۔

کتاب وسنت کے ظواہر پر احکام کی بنیاد نہ ہوتی۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ جب دو حدیثیں باہم متعارض ہوں تو ان میں سے کسی ایک کی ترجیح کے لیے قیاس واجتہاد کرنا جائز وروا ہے، ناجائز وحرام نہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الانصاف" میں "دارمی" سے نقل کیا ہے کہ:

"جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی مسئلہ میں سوال کیا جاتا تو وہ اگر قرآن میں ہوتا تو بتاتے تھے اور اگر قرآن میں نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث میں ہوتا تو بتاتے اور اگر اس میں نہ ہوتا تو ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال وافعال سے بتاتے اور ان میں بھی نہ ہوتا تو اپنی رائے سے بتلاتے۔"(۱)

"نور الأنوار" میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت اس طرح مذکور ہے: "والراوي إن عرف بالفقه والتقدم في الاجتهاد كالخلفاء الراشدين والعبَادلة كان حديثه حُجَّةً يترك به القياس خلافا لمالك فإنه قال: القياس مقدم على خبر الواحد إن خالفه لما روي من حمل الخ "من حمل جنازة فليتوضأ" قال له ابن عباس: أيلزمنا الوضوء من حمل عيدان يابسة". (۲)

"اور راوی اگر مشہور فقیہ اور مقدم فی الاجتہاد ہو جیسے خلفائے راشدین اور تینوں عبد اللہ (یعنی عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ ابن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم) تو اس کی حدیث حجت ہے اور اس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا بر خلاف امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کیوں کہ آپ نے فرمایا کہ: قیاس خبر واحد پر مقدم ہے اگر وہ قیاس کے مخالف ہو، کیوں کہ روایت ہے کہ: جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے) یہ روایت کیا: "جس شخص نے جنازہ کو اٹھایا تو وضو کرلے" تو حضرت ابن عباس نے آپ سے فرمایا کہ: "کیا خشک لکڑیوں کے اٹھانے سے ہم پر وضو لازم ہوگا۔"

---

(۱) كتاب الإنصاف فى بيان سبب الاختلاف، باب أسباب الاختلاف بين أهل الحديث و أصحاب الرأى ص:۱۳، المكتبة الحقيقة، تركى.

(۲) نور الأنوار، بيان احوال الراوي، ص:۱۸۲، مجلس بركات جامعه اشرفيه مباركپور.

یعنی جب خشک لکڑیاں اُٹھانے سے بالاتفاق وضو نہیں تو جنازہ کے اٹھانے سے جو کہ خشک لکڑیاں ہیں وضو لازم نہ ہوگا حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد آپ کے قیاس و اجتہاد پر مبنی تھا جس سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت کے بعد دور صحابہ میں اصحاب نظر صحابۂ کرام نو پیدا مسائل میں اجتہاد فرماتے اور اس کے مطابق احکام صادر فرماتے احادیث مبارکہ کے گراں قدر ذخائر اور فقہائے صحابہ کے زریں کارناموں کے مطالعہ سے نہ صرف اجتہاد کے تاباں نقوش نظر آتے ہیں بلکہ ان حضرات کی مجتہدانہ شان روز روشن سے زیادہ آشکارا نظر آتی ہے۔

دور صحابہ کے بعد دور تابعین و تبع تابعین میں بھی عظیم الشان ہستیاں اور جلیل القدر شخصیتیں جلوہ گر ہوئیں جنھوں نے نو پیدا مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کے اصولوں کو متعیّن کیا جن کی روشنی میں کاروان اجتہاد ترقی کی شاہراہوں پر گامزن رہ کر امت مسلمہ کو جام اجتہاد سے سرشار کرتا رہا اور قیادت و رہنمائی کے اہم فریضہ کو انجام دیتا رہا۔ اس زمانہ میں امام اوزاعی امام سفیان ثوری، امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم المتعال وغیرہم کے اسمائے مبارکہ قابل ذکر ہیں۔

گزشتہ سطور کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں و آشکارا ہو جاتی ہے کہ اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے اصحاب نظر فقہائے مجتہدین کے اجتہاد کا جواز کتاب و سنت سے ثابت ہے جس کا انکار آفتاب روز روشن کا انکار ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ جسے اجتہاد کی اہلیت نہیں اسے اجتہاد کی قطعًا اجازت نہیں اگر نااہل کو اجتہاد کی اجازت دے دی جائے تو دین و شریعت سے امان اٹھ جائے گا۔ اجتہاد کا جواز مشروط بشرائط ہے جامع شرئط اجتہاد ہی اجتہاد کر سکتا ہے احادیث مبارکہ میں جہاں کہیں اجتہاد پر ملامت و انکار وارد ہے جامع شرائط اجتہاد کے لیے نہیں بلکہ اس شخص کے لیے جسے قوت اجتہاد حاصل نہیں یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر شخص جامع شرائط اجتہاد ہو اور اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اس لیے کہ ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص حافظ حدیث ہو اور مجتہد نہ ہو جیسا کہ خود نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”نضَّر الله عبدًا سمع مقالتي فحفظها ووعاها وأدّاها فرُبَّ حامل فقهٍ غير فقيه، ورُبَّ حامل فقه إلى من هو أفقه منه“ (۱)

”خدا اُس بندے کو شاداب رکھے جس نے میرا کلام سن کر یاد کیا، اسے محفوظ رکھا اور دوسروں تک پہنچایا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ فقہ کے حامل و حافظ و راوی تو ہیں مگر خود فقیہ نہیں اور بہت سے حاملانِ فقہ ایسے لوگوں کے پاس فقہ کے لیے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقاہت رکھتے ہیں۔“

اور ایک دوسری روایت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے سنا: ”نضَّر الله امرأً سمع منا شيئًا فبلغه كما سمعه فرب مبلغ أوعى له من سامع.“ (۲)

”اللہ اس شخص کو شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی چیز سنی تو اس کو اسی طرح پہنچا دیا جیسا کہ سنا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس حدیث پہنچائی گئی حدیث سننے والے سے زیادہ حفظ و فہم اور اتقان والے ہیں۔“

اسی فرق کو روشن کرنے کے لیے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

”وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾“ (۳)

”اور مسلمانوں سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔“

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلیل الشان شاگرد اور اجلۂ ائمۂ تابعین اور تمام ائمۂ حدیث کے استاذ الاساتذہ حضرت سلیمان اعمش (تابعی) سے امام اعظم ابو حنیفہ احادیث کی تعلیم حاصل کر

(۱) مشکاۃ المصابیح، ج:۱، ص:۳۵. کتاب العلم مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ.

(۲) مصدر سابق، ایضاً ترمذی کتاب العلم، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع، ج:۲، ص:۹۰، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور.

(۳) قرآن مجید، پ:۱۱، سورۃ التوبۃ، آیت:۱۲۲.

رہے تھے اسی زمانہ میں آپ کی موجودگی میں امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل پوچھے آپ نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا امام اعظم نے فوراً جوابات عطا فرما دیے، امام اعمش نے پوچھا یہ جوابات آپ نے کہاں سے اخذ کیے؟ آپ نے فرمایا: آپ سے سنی ہوئی حدیثوں سے اور وہ حدیثیں مع سند سنادیں امام اعمش نے باں جلالت شان فرمایا:

”حسبك ماحدثتك به في مائة يوم تحدثني به في ساعة واحدة. ماعلمتُ أنك تعمل بهذه الأحاديث، يا معشر الفقهاء! أنتم الأطباء ونحن الصيادلة وأنت أيها الرجل! أخذت بكلا الطرفين.“[1]

”بس کیجیے جو حدیثیں میں نے آپ کو سو دن میں سنائیں آپ ایک ساعت میں مجھے سنائے دیتے ہیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں پر یوں عمل کرتے ہیں۔ اے فقہا کی جماعت! تم طبیب ہو اور ہم (محدثین) عطّار ہیں اور اے ابو حنیفہ! تم نے تو فقہ و حدیث دونوں کنارے لے لیے۔“

امام اعمش سے بھی بدرجہا اجل و اعظم ان کے استاذ امام عامر بن شراحیل شعبی ہیں جنھوں نے پانچ سو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا، حدیث میں ان کا پایا اتنا بلند تھا کہ خود فرماتے ہیں:

”بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس سے زیادہ نہ ہو۔“

مگر اس جلالت شان اور عظمت مقام کے باوجود فرماتے ہیں: ”إنا لسنا بالفقهاء ولٰكنا سمعنا الحديث فرويناه للفقهاء مَنْ إذا علم عمل.“[2]

”ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں ہمیں مطالب حدیث کی کامل سمجھ نہیں، ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کارروائیاں کریں گے۔“

ان روشن نصوص کے پیش کرنے سے میرا مقصود یہ ہے کہ تفقہ و اجتہاد ایسا بلند مقام و

(۱) الخیرات الحسان للامام ابن حجر المکی الشافعی، الفصل الثلاثون فصل فی مسنده فی الحدیث، ص: ۱۶۰، مطبع استنبول، ترکی.

(۲) تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۷۸.

مرتبہ ہے جو ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے اس خاص بندہ کو حاصل ہوتا ہے جسے وہ بہت بڑی بھلائی عطا فرمانا چاہتا ہے جیسا کہ خود حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ یرد اللہ به خیرا یفَقِّهْهُ فِي الدين." (۱)

"اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا فقیہ بنادیتا ہے۔"

تو جس شخص کو اجتہاد کی قوت حاصل نہیں اسے اجتہاد کی کیوں کر اجازت ہوگی اس لیے کہ کتاب و سنت کے بحر ذخار سے گراں قدر موتیوں کا حاصل کرنا صرف فقہائے مجتہدین ہی کی شان ہے اسی لیے نبی پاک سید عالم ﷺ نے اپنے عہد میں قوت اجتہاد سے دور رفتہ حضرات کے اجتہاد پر نکیر فرمائی جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

"خرجنا في سفر فأصاب رجلا منا حجر فشجّه في رأسه فاحتلم فسأل أصحابه: هل تجدون لي رخصة في التيمم؟ قالوا: مانجد لك رخصةً وأنت تقدر على الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا على النبي ﷺ أخبر بذالك قال: قتلوه قتلهم الله ألّا سألوه إذا لم يعلموا فإنما شفاء العي السؤال إنما كان يكفيه أن يتيمّم و يُعَصِّبَ على جرحه خرقة ثم يمسح عليها و يغسل سائر جسده." (۲)

"ہم لوگ ایک سفر پر نکلے تو ہمارے ایک ساتھی کو پتھر لگا جس سے اس کا سر زخمی ہوگیا، اسے احتلام ہوا تو اس نے اپنے ہمراہیوں سے پوچھا: کیا آپ حضرات میرے حق میں تیمم کی رخصت پاتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہم تمھارے حق میں کوئی رخصت نہیں پاتے اس لیے کہ تم پانی پر قادر ہو تو اس نے غسل کیا جس سے اس کا انتقال ہوگیا۔ جب ہم لوگ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ کو اس کی اطلاع دی گئی آپ نے فرمایا: اُن لوگوں نے اسے قتل کیا اللہ انھیں قتل کرے جب انھیں (حکم شرع) معلوم نہ تھا کیوں نہ پوچھا؟ ناواقفیت کا علاج دریافت کرنا ہے اسے تو اس قدر کافی تھا کہ تیمم کر کے اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کر لیتا اور باقی بدن دھولیتا۔"

(۱) بخاری کتاب العلم، باب: من یرد اللہ خیرا، ص: ۳۰، حدیث: ۷۱، دار الکتاب العربی، بیروت.
(۲) مشکاۃ المصابیح، ج: ۱، ص: ۵۵، کتاب التیمم، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ.

نبی اکرم سید عالم ﷺ کا ان حضرات پر ردوانکار فرمانا اس لیے نہ تھا کہ اجتہاد کرنا ناجائز و حرام ہے اور اجتہاد حجت شرعیہ نہیں اس لیے کہ اس کا حجت اور معتبر ہونا خود آپ کے ارشاداتِ عالیہ سے ثابت ہے یہ ردوانکار دراصل اس لیے تھا کہ ان حضرات کو اجتہاد کی صلاحیت وقوت نہ تھی انھوں نے قرآن کریم کی آیت کریمہ: ''اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا'' کو معذور وغیر معذور کے حق میں عام اور آیت کریمہ: ''اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى'' کو حدثِ اصغر کے ساتھ خاص سمجھ کر یہ فتویٰ دیا جس کے سبب ان کے لیے فتویٰ دینا جائز نہ رکھا گیا اور ان کے اس اجتہاد پر نکیر فرمائی گئی۔

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے:

”أخذ عقالاً أبيض وعقالا أسود حتىٰ كان بعد الليل نظر فلم يتبين له، فلما أصبح قال لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: جعلت تحت وسادتي خيط الأبيض وخيط الأسود قال: إنّ وسادتك لعريض إن كان الخيط الأبيض والخيط الأسود تحت وسادتك.“ (۱)

”جب یہ آیت نازل ہوئی: ''وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ'' (البقرۃ، پ،۲، آیت:۱۸۷) تو انھوں نے ایک ڈورا سفید اور ایک ڈورا سیاہ لے کر رکھ لیا اور رات کے کسی حصہ میں اس کو دیکھا تو اس میں تمیز نہ ہوئی صبح کے وقت انھوں نے رسولِ پاک ﷺ سے عرض کیا کہ: میں نے اپنے تکیہ کے نیچے ایک ڈورا سفید اور ایک ڈورا سیاہ رکھ لیا آپ نے (بطور مزاح) فرمایا کہ: تمھارا تکیہ بہت ہی چوڑا ہے کہ سفید اور سیاہ ڈورے (جن سے دن اور رات مراد ہے) تمھارے تکیہ کے نیچے آگئے۔“

یہ صحابی اہل زبان تھے مگر اہلِ زباں ہونا اور ہے اور قرآن کریم کے مطالب خفیہ اور معانی دقیقہ لطیفہ پر مطلع ہونا اور ہے۔ خود رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ”أنزل القرآن على سبعة أحرف لكل آية منها ظهر و بطن ولكل حد مطلع.“ (۲)

”قرآن سات حرفوں (لغتوں، قراءتوں، انواع احکام) میں نازل کیا گیا ہر آیت کا ایک

(۱) الصحيح لمسلم، باب بيان أن الدخول فى الصوم، ص:۳۴۹، ج:۱، مجلس بركات.

(۲) مشكاة المصابيح، ج:۱، ص:۳۵، كتاب العلم، مجلس بركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور، اعظم گڑھ.

ظاہر ہے ایک باطن اور ہر حد کی اطلاع کا طریقہ الگ الگ ہے (یعنی مدلول ظاہری کے لیے علومِ عربیہ اور مدلول خفی کے لیے قوت فہمیہ درکار ہے۔)"

یہ صحابی اہل زبان ہونے کے باوجود اجتہاد کی قوت وصلاحیت نہ رکھتے تھے اور کلامِ الٰہی میں وارد سفید اور سیاہ ڈورا سے اس کا مدلول ظاہری اور معنیٰ حقیقی سمجھا اس کا مدلول خفی دن اور رات نہ سمجھا ان کے اس فہم پر رسول اللہ ﷺ نے بعنوان مزاح انکار فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ان میں قوت اجتہادیہ نہ ہونے کے سبب آپ نے اُن کی اس رائے اور فہم کا اعتبار نہ فرمایا۔

حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے صحبت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

"إنما طلاق البكر واحدة فقال لي عبد الله: إنما أنت قاصٌّ، الواحدة تبينها والثالث يحرمه حتىٰ تنكح زوجا غيره. أخرجه المالك"(۱)

باکرہ کو ایک ہی طلاق پڑتی ہے اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا: تم تو نرے واعظ ہو (فتویٰ دینا کیا جانو) ایک طلاق سے تو بائن ہو جاتی ہے اور تین طلاق سے حلالہ کرنے تک حرام رہتی ہے۔

حضرت عطا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بلند پایہ محدث وعالم ہونے کے باوجود حضرت عبداللہ نے ان کے فتویٰ کو اس لیے غیر معتبر وغیر مستند قرار دیا کہ ان کے اندر اجتہاد کی قوت وصلاحیت نہ تھی جیسا کہ: "إنما انت قاصٌّ" سے اس طرف اشارہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ محدث ہونا اور ہے اور فقیہ ومجتہد ہونا اور ہے، محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقیہ و مجتہد ہونا علم کا آخری زینہ ہے۔

اجتہاد کے شرائط:-

"مختصر المنار" اور اس کی شرح "نور الأنوار" میں ہے:

"وشرط الاجتهاد أن يحوي علم الكتاب بمعانيه اللغوية والشرعية ووجوهه التي قلنا من الخاص والعام الأمر والنهي وسائر الأقسام السابقة

(۱) مصنف ابن ابی شیبه ،باب فی الرجل يتزوج المرأة ثم يطلقها .

ولكن لايشترط علم جميع مافي الكتاب بل قدر ما يتعلق به الأحكام وتستنبط هى منه وذالك قدر خمس مأة اٰية التي ألفتها وجمعتها أنا في التفسيرات الأحمدية. و علم السنة بطرقها المذكورة مع أقسام الكتاب وذالك أيضا قدر ما يتعلق به الأحكام أعني ثلاث اٰلاف دون سائرها وأن يعرف وجوه القياس بطرقها وشرائطها المذكورة أنفا، ولم يذكر الإجماع اقتداءً بالسلف ولأنه لايتعلق به فائدة الاختلاف بالاستنباط وإنما يحتاج إليه لأن يعلم المسائل الإجماعية فلا يجتهد فيها بنفسه بخلاف الكتاب والسنة فإن لكل مجتهد تاويلاً علىٰ حِدةٍ في المشترك والمجمل وأمثاله وبخلاف القياس فإنه عين الاجتهاد وعليه مدار الفقه ولهذا بين حكمه على وجه يتضمن بيان حكم القياس الموعود فيما سبق"[1]

"**اور اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ:** (۱) مجتہد کا علم کتاب اللہ کے لغوی و شرعی معانی اور اس کے ان وجوہ و اقسام کو محیط ہو جنھیں اس سے پہلے ہم نے بیان کیا یعنی کتاب اللہ کے خاص و عام اور امر و نہی وغیرہ اقسامِ کتاب اس کے احاطۂ علم میں ہوں لیکن مکمل کتاب اللہ کا علم شرط نہیں بلکہ ان پانچ سو آیتوں کا علم شرط ہے جن سے احکام متعلق ہیں اور احکام مستنبط ہوتے ہیں ان آیتوں کو میں نے "تفسیرات احمدیہ" میں جمع کر دیا ہے۔ (۲) اور حدیث کو اس کے متون، اور اس کی سندوں اور ان قسموں کے ساتھ جاننا جو کتاب اللہ کی قسموں کے ساتھ اقسام سنت میں مذکور ہیں وہ تین ہزار حدیثیں ہیں جن سے احکام متعلق ہیں نہ کہ ساری حدیثیں۔ (۳) اور قیاس کے اقسام کو ان کے مذکورہ شرائط و طرق کے ساتھ جاننا۔"

مصنف نے سلف کی اقتدا میں اجماع کو ذکر نہ کیا (جب کہ مواقع اجماع کا علم اجتہاد کی شرط ہے) اس لیے کہ استنباط سے متعلق اختلاف کا فائدہ اجماع سے متعلق نہیں اور اجماع کا علم اس لیے اجتہاد کی شرط ہے کہ مجتہد اجماعی مسائل کو جان لے تو ان میں اجتہاد نہ کرے (اور اجماع کے خلاف فتویٰ نہ دے) بر خلاف کتاب و سنت کیوں کہ مشترک و مجمل وغیرہ میں ہر مجتہد

---

(۱) نور الأنوار مبحث الاجتهاد، ص: ۲۵۰، مجلس برکات، جامعه اشرفيه، مبارکپور.

کی الگ الگ تاویل ہوتی ہے (تو ہر مجتہد کے لیے کتاب و سنت کا علم اس لیے شرط ہے تاکہ تاویل کر سکے اور استنباط سے متعلق اختلاف مجتہدین کا فائدہ حاصل ہو) اور بر خلاف قیاس کیوں کہ قیاس عینِ اجتہاد اور اسی پر فقہ کا مدار ہے (کیوں کہ اکثر فقہ کے مسائل قیاسی ہیں) اور اسی لیے اجتہاد کا حکم اس طرح بیان کیا گیا جو قیاس کے حکم کی توضیح پر مشتمل ہے جس کا ماسبق میں وعدہ کیا تھا۔"

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے "الفضل الموهبي في معنىٰ إذا صح الحديث فهو مذهبي" میں شرائط اجتہاد کی تحقیق و تفصیل اور احاطۂ تام فرماتے ہوئے چار منزلوں کا ذکر فرمایا:

منزل اول:-

نقدِ رجال کہ ان کے مراتب ثقہ و صدق و حفظ و ضبط اور ان کے بارے میں ائمۂ شان کے اقوال و وجوہِ طعن و مراتب توثیق و مواضع تقدیم جرح و تعدیل و حوامل طعن و مناشی توثیق و مواضعِ تحامل و تساہل و تحقیق پر مطلع ہو۔ استخراج مرتبۂ اتقانِ راوی بنقد روایات و ضبط مخالفات و اوہام و خطیات وغیرہا پر قادر ہو، ان کے اسامی و القاب و کُنیٰ و انساب و وجوہِ مختلفۂ تعبیر رواۃ خصوصًا اصحابِ تدلیس شیوخ و تعیینِ مبہمات و متفق و متفرق و مختلف و موتلف سے ماہر، ان کے موالید و وفیات و بلدان و رحلات و لقاو سماعات و اساتذہ و تلامذہ و طرق تحمل و وجوہ ادا و تدلیس و تسویہ و تغیر و اختلاط و آخذین من قبل و آخذین من بعد و سامعین حالین وغیرہا تمام امور ضروریہ کا حال اس پر ظاہر ہو، ان سب کے بعد صرف سند حدیث کی نسبت اتنا کہہ سکتا ہے کہ: صحیح یا حسن یا صالح یا ساقط یا باطل یا معضل یا مقطوع یا مرسل یا متّصل ہے۔

منزل دوم:-

صحاح و سنن و مسانید و جوامع و معاجیم و اجزا وغیرہا کتب احادیث میں اس کے طرق مختلفہ و الفاظ متنوّعہ پر نظر تام کرے کہ حدیث کے تواتر یا شہرت یا فردیّت نسبیہ یا غرابتِ مطلقہ یا شُذوذ یا نکارت و اختلافات رفع و وقف و قطع و وصل و مزید فی متّصل الاسانید و اضطراباتِ سند و متن وغیرہا پر اطلاع پائے، نیز اس جمعِ طرق و احاطۂ الفاظ سے رفع ابہام و دفع اوہام و ایضاح

خفی و اظہار مشکل و ابانتِ مجمل و تعیین محتمل ہاتھ آئے ولہٰذا امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں:

"ہم جب تک حدیث کو ساٹھ وجہ سے نہ لکھتے اس کی معرفت نہ پاتے۔"

اس کے بعد اتنا حکم کر سکتا ہے کہ: حدیث شاذ یا منکر یا محفوظ، مرفوع یا موقوف، فرد یا مشہور کس مرتبہ کی ہے۔

منزل سوم:۔

اب علل خفیہ و غوامض دقیقہ پر نظر کرے جس پر صدہا سال سے کوئی قادر نہیں۔ اگر بعد احاطۂ وجوہ اعلال تمام علل سے منزہ پائے تو یہ تین منزلیں طے کر کے صرف صحت حدیث بمعنی مصطلح اثر پر حکم لگا سکتا ہے، تمام حفاظِ حدیث و اجلۂ نقّاد و ناواصلان ذروۂ شامخۂ اجتہاد کی رسائی صرف اس منزل تک ہے، اور خدا انصاف دے تو مدعی اجتہاد و ہمسری ائمۂ امجاد کو ان منازل کے طے میں اصحاب صحاح یا مصنفان اسماء الرجال کی تقلید جامد سخت بے حیائی نری بے غیرتی ہے بلکہ ان کے طور پر شرک جلی ہے۔ کس آیت یا حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ: بخاری یا ترمذی بلکہ امام احمد و ابن المدینی جس حدیث کی تصحیح یا تجریح کر دیں وہ واقع میں ویسی ہی ہے؟ کون سا نص آیا کہ نقدِ رجال میں ذہبی و عسقلانی بلکہ نسائی و ابن عدی و دارقطنی بلکہ یحییٰ قطان و یحییٰ بن معین و شعبہ و ابن مہدی جو کچھ کہہ دیں وہی حق جلی ہے؟ جب خود احکامِ الٰہیہ کے پہچاننے میں ان اکابر کی تقلید کی نہ ٹھہری جو اِن سے بدرجہا ارفع و اعلیٰ و اعلم و اعظم تھے جن کے یہ حضرات اور ان کے امثال مقلّد و متبع ہوتے ہیں جن کے درجات رفیعۂ امامت انھیں مسلم تھے تو اُن سے کم درجہ امور میں ان اکابر سے نہایت پست مرتبۂ اشخاص کی ٹھیٹ تقلید یعنی چہ جرح و تعدیل وغیرہ جملہ امور مذکورہ جن جن میں گنجائش رائے زنی ہے محض اپنے اجتہاد سے پایۂ ثبوت کو پہنچائیے اور این و آں فلاں و بہماں کا نام زبان پر نہ لائیے ابھی ابھی تو کھلا جاتا ہے کہ کس برتے پر تتا پانی۔

ماذا أخاضك يا مغرور في الخطر
حتى هلكت فليت النمل لم تطر

خیر کسی مسخرۂ شیطان کے منھ کیا لگیں برادران با انصاف انھیں منازل کی دشواری دیکھیں جس میں ابو عبداللہ حاکم جیسے محدث جلیل القدر پر کتنے عظیم شدید مواخذے ہوئے۔ امام ابن حبان جیسے ناقد بصیر تساہل کی طرف نسبت کیے گئے ان دونوں سے بڑھ کر امام اجل ابو عیسیٰ ترمذی تصحیح و تحسین میں متساہل ٹھہرے۔ امام مسلم جیسے جبل رفیع نے بخاری و ابو زرعہ کے لوہے مانے کما أوضحنا في رسالتنا "مدارج طبقات الحديث." ۱۳۱۳ھ

منزل چہارم:-

سخت ترین منازل دشوار ترین مراحل جس کے سائر نہیں مگر اقل قلائل اس کی قدر کون جانے

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش
کہ نظم مملکت خویش خسرواں دانند

اس کے لیے واجب ہے کہ: جمیع لغات عرب و فنون ادب و وجوہِ تخاطب و طرقِ تفاہم و اقسامِ نظم و صنوف معنیٰ و ادراک علل و تنقیح مناط و استخراج جامع و عرفانِ مانع و موارِدِ تعدیہ و مواضع قصر و دلائل حکم آیات و احادیث و اقاویل صحابہ و ائمۂ فقہ قدیم و حدیث و مواقع تعارض و اسباب ترجیح و مناہج توفیق و مدارج دلیل و معارک تاویل و مسالک تخصیص و مناسک تقیید و مشارع قیود و شوارِح مقصود و غیر ذالک پر اطلاع تام و وقوف عام و نظر غائر و ذہن رفیع و بصیرت ناقدہ و بصر منیع رکھتا ہو جس کا ایک ادنیٰ اجمال امام شیخ الاسلام زکریا انصاری قدس سرہٗ الباری نے فرمایا:

"إياكم أن تبادروا إلى الإنكار على قول مجتهد أو تخطئته إلا بعد إحاطتكم بأدِلة الشريعة كلها و معرفتكم بجميع لغات العرب التي احتوت عليها الشريعة و معرفتكم بمعانيها و طرقها."

"خبر دار مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اسے خطا کی طرف نسبت نہ کرنا جب تک شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کر لو جب تک تمام لغات عرب جن پر شریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو جب تک ان کے معانی ان کے راستے جان نہ لو۔"

اور ساتھ ہی فرمادیا: "أنّٰى لكم بذالك. ؟"[1] بھلا کہاں تم اور کہاں یہ احاطہ؟۔

(۱) نقله الامام العارف بالله عبد الوهاب الشعرانی فی الميزان. الفضل الموهبی فی معنیٰ إذا صح الحديث فهو مذهبی، ص:۹ تا ۱٤، ناشر رضا اکیڈمی، ممبئی.

طبقات مجتہدین:-

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ "ردالمحتار" میں فرماتے ہیں:

"الفقهاء على سبع مراتب أوضحها المحقق ابن كمال باشافي بعض رسائله:

الأولىٰ: طبقة المجتهدين في الشرع كالأئمة الأربعة رضي الله تعالىٰ عنهم ومن سلك مسلكهم في تاسيس قواعد الأصول وبه يمتازون من غيرهم.

الثانية: طبقة المجتهدين في المذهب كأبي يوسف و محمد و سائر أصحاب أبي حنيفة القادرين على استخراج الأحكام من الأدلة على مقتضى القواعد اللتي قررها أستاذهم أبو حنيفة في الأحكام وإن خالفوه في بعض أحكام الفروع لكن يقلدونه في قواعد الأصول و به يمتازون عن المعارضين في المذهب كالشافعي وغيره المخالفين له في الأحكام غير مقلدين له في الأصول.

الثالثة: طبقة المجتهدين في المسائل اللتي لانصّ فيها عن صاحب المذهب كالخصّاف وأبي جعفر الطحاوي، وأبي الحسن الكرخي و شمس الأئمة الحلواني، شمس الأئمة السرخسي، و فخر الإسلام البزدوي، و فخر الدين قاضي خان وأمثالهم؛ فإنهم لا يقدرون على شيئ من المخالفة لا في الأصول ولا في الفروع لكنهم يستنبطون الأحكام في المسائل اللتي لانص فيها على حسب الأصول والقواعد.

الرابعة: طبقة أصحاب التخريج من المقلدين كالرازي وأضرابه فإنهم لايقدرون على الاجتهاد أصلا لكنهم لإحاطتهم بالأصول وضبطهم للمأخذ يقدرون على تفصيل قول مجمل ذي وجهين وحكم مبهم محتمل الأمرين منقول عن صاحب المذهب أو أحد من أصحابه برأيهم ونظرهم في الأصول والمقايسة على أمثاله ونظائره من الفروع وما في الهداية من قوله: كذا في تخريج الكرخي وتخريج الرازي من هذا القبيل.

الخامسة: طبقة أصحاب الترجيح من المقلدين كأبي الحسن القدوري و صاحب الهداية و أمثالهما، و شأنهم تفضيل بعض الروايات على بعض كقولهم: هذا أولى وهذا أصح رواية وهذا أوفق للناس.

السادسة: طبقة المقلدين القادرين على التميز بين الأقوى والقوي والضعيف وظاهر المذهب والرواية النادرة كأصحاب المتون المعتبرة من المتأخرين، مثل صاحب الكنز و صاحب المختار و صاحب الوقاية و صاحب المجمع، وشأنهم أن لا ينقلوا الأقوال المردودة والروايات الضعيفة.

والسابعة: طبقة المقلدين الذين لايقدرون على ما ذكر ولا يفرقون بين الغثّ والسمين."(۱)

محقق ابن کمال باشانے اپنے بعض رسائل میں فقہا کے سات طبقات کی توضیح فرمائی:

(۱)- مجتہدین فی الشرع: (مجتہد مطلق مستقل) جیسے امام الائمہ، سراج الامہ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) امام مالک (م:۱۷۹ھ) امام شافعی (م:۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م:۲۴۱ھ) اور ان کے علاوہ وہ حضرات جو قواعد اصول کی تاسیس میں ان کے نقش قدم پر چلیں اور اسی وجہ سے دوسروں سے ممتاز ہوں۔

"فواتح الرحموت" میں ہے:

"المجتهد على قسمين: مجتهد مطلق أي من له قدرة الاجتهاد في كل حادثة اتفقت و مجتهد في البعض."(۲)

"یعنی مجتہد کی دو قسمیں ہیں: مجتہد مطلق یہ وہ شخص ہے جو ہر پیش آمدہ مسئلہ میں اجتہاد کی قدرت رکھے اور مجتہد فی البعض۔"

(۲)- مجتہدین فی المذہب: (مجتہد مطلق غیر مستقل) جیسے امام ابو یوسف (م:۱۸۳ھ) امام محمد (م:۱۸۹ھ) اور امام اعظم ابو حنیفہ کے دوسرے تلامذہ۔ یہ حضرات اپنے

---

(۱) ردالمحتار، ج:۱، ص: ۵۲، ۵۳.

(۲) فواتح الرحموت، ج:۲، ص:۴۱٦، خاتمة الاجتهاد بذل الطاقة.

استاذ امام ابو حنیفہ کے مقرر فرمودہ استخراج احکام کے قواعد کے مطابق دلائل شرعیہ سے استخراج احکام کی صلاحیت رکھتے ہیں، اگرچہ بعض احکامِ فروع میں ان کی مخالفت کرتے ہیں لیکن قواعد اصول میں ان کے مقلد و تابع ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ حضرات معارضین فی المذہب مثلاً امام شافعی وغیرہ سے ممتاز ہوتے ہیں جو احکام میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور اصول میں ان کی تقلید نہیں کرتے۔

(۳)- مجتہدین فی المسائل: جیسے امام ابو بکر خصاف (م:۲۶۱ھ) امام ابو جعفر طحاوی (م: ۳۳۱ھ) امام ابو الحسن کرخی (م:۳۴۰ھ) شمس الائمہ حلوانی (م:۴۵۶ھ) شمس الائمہ سرخسی (م: ۵۰۰ھ) امام فخر الاسلام بزدوی (م:۴۸۲ھ) اور امام فخر الدین قاضی خاں (م:۵۹۳ھ) وغیرہ یہ حضرات اصول و فروع میں مخالفت نہیں کر سکتے البتہ جن مسائل کے بارے میں ائمۂ مذاہب سے کوئی نص نہیں ان میں انھیں کے وضع کردہ اصول و قواعد کی روشنی میں احکام کا استنباط کرتے ہیں۔

(۴)- اصحاب تخریج: جیسے امام ابو بکر احمد بن علی رازی (م: ۳۷۰ھ) وغیرہ یہ حضرات مقلدین، اجتہاد کی اصلاً قدرت نہیں رکھتے البتہ احاطۂ اصول اور ضبط ماخذ کے سبب اپنی رائے سے اصول میں نظر و فکر اور امثال و نظائر پر قیاس کے ذریعہ صاحب مذہب یا ان کے کسی تلمیذ سے منقول ایسے مجمل قول کی تفصیل کر سکتے ہیں جو دو طرح کا معنیٰ رکھتے ہیں اسی طرح ایسے مبہم حکم کی تعیین کر سکتے ہیں جس میں دو احتمال ہے۔

(۵)- اصحاب ترجیح: جیسے امام ابو الحسن قدوری (م:۴۲۸ھ) صاحب ہدایہ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م: ۵۹۳ھ) وغیرہ ان حضراتِ مقلدین کا کام اصول و فروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینا ہے مثلاً ان کا یہ کہنا کہ: ھٰذا أولیٰ و ھذا أصحُّ روایة وھذا أوفق للناس.

(۶)- اصحابِ تمیز: جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ اور صاحب مجمعِ یہ حضرات مذہب کے اقوی، قوی، ضعیف، ظاہر مذہب اور روایت نادرہ کے درمیان تمیز کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کا کام اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو نقل نہ کرنا ہے۔

(۷)- مقلدینِ محض: جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت نہیں ہوتی، یہ حضرات کھرے اور کھوٹے کی تمیز نہیں رکھتے۔ (بس ائمۂ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں جیسے موجودہ دور کے صاحبانِ فقہ و افتا۔)

مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی نے "التعليقات السَّنيَّة" میں ص:۲ پر فرمایا کہ:
بعض فضلا نے اس پر تعقب فرمایا کیوں کہ امام قدوری زمانہ کے اعتبار سے شمس الائمہ حلوانی سے پہلے ہیں اور ان کی شان بھی ان سے بلند ہے تو کیا وجہ ہے ان کا مقام و مرتبہ ان سے فروتر ہے۔

نیز فقیہ اکبر امام علامہ شیخ عبد القادر رافعی فاروقی حنفی نے فرمایا کہ: امام قدوری اور صاحب ہدایہ کو اصحاب ترجیح اور امام قاضی خاں کو مجتہدین فی المسائل سے شمار کیا گیا جب کہ امام قدوری کا زمانہ شمس الائمہ کے زمانہ سے پہلے ہے اور ان کا پایا بھی ان سے بلند ہے اسی طرح صاحب ہدایہ اپنے اقران یہاں تک کہ اپنے شیوخ سے بھی فقہ میں فائق ہیں خود ان کے ہم عصر امام فخر الدین قاضی خاں اور زین الدین عتابی وغیرہ نے ان کی اس بلندی شان کا اعتراف کیا تو ان کا مقام و مرتبہ قاضی خاں سے کیوں کر کم تر ہو گا بلکہ وہ حضرات اس بلند مقام کے زیادہ لائق ہیں۔ (۱)

اب رہا یہ کہ کن امور میں اجتہاد کی گنجائش ہے تو یہ حقیقت روشن ہے کہ: مسائل تین طرح کے ہوتے ہیں:

(۱)- جن میں نصوص متعارض ہیں۔

(۲)- جن میں نصوص متعارض نہیں مگر ان میں متعدّد وجوہ و معانی کا احتمال ہے۔

(۳)- جن میں تعارض بھی نہ ہو اور ان میں ایک ہی معنیٰ ممکن ہوں۔

پہلی دونوں قسموں میں مجتہد کو اجتہاد کی حاجت ہے ظاہر ہے کہ جب نصوص متعارض ہیں تو رفع تعارض کے لیے اجتہاد کی حاجت ہے۔ اسی طرح نصوص متعارض نہیں مگر متعدّد وجوہ و معانی کا احتمال رکھتے ہیں تو مختلف احتمالات میں سے کسی ایک کی تعیین کے لیے اجتہاد کی

---

(۱) التحرير المختار، ج:۱، ص: ۱۱، ۱۲، المطبعة الكبرى الاميرية ببولاق مصر.

حاجت ہے۔ رہ گئی تیسری قسم جس میں نہ تعارض ہے اور صرف ایک ہی معنیٰ ممکن ہے جو قطعی الدلالۃ ہے اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔

"أصول الشاشي "میں ہے:

"الواجب على المجتهد طلب حكم الحادثة من كتاب الله تعالىٰ ثم من سنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بصريح النص أو دلالته على مامر ذكره فانه لا سبيل إلى العمل بالرأي مع إمكان العمل بالنص .... ثم إذا تعارض الدليلان عند المجتهد فإن كان التعارض بين الآيتين يميل إلى السنة وإن كان بين السنتين يميل إلىٰ أثار الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم والقياس الصحيح ثم إذا تعارض القياسان عند المجتهد يتحرى و يعمل بأحدهما لأنه ليس دون القياس دليل شرعي يصار إليه." (۱)

"یعنی مجتہد کے سامنے جب کوئی واقعہ پیش ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس پیش آمدہ قضیہ کا حکم اللہ کی کتاب میں تلاش کرے اس لیے کہ یہ سب سے قوی دلیل ہے پھر اس کے بعد رسول پاک ﷺ کی سنت شریفہ میں تلاش کرے نص صریح یا اس کی دلالت یا اس کے اشارہ وغیرہ کے ذریعہ جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا کیوں کہ نص پر عمل کے ممکن ہوتے ہوئے رائے پر عمل کی کوئی راہ نہیں اس لیے کہ نص رائے سے زیادہ باقوت ہے............... پھر جب مجتہد کے نزدیک دو دلیلیں متعارض ہوں تو اگر یہ تعارض دو آیتوں کے درمیان ہے تو سنت (حدیث) کی طرف مائل ہوگا اور اگر دو حدیثیں متعارض ہوں تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ان اقوال شریفہ کی طرف مائل ہوگا جو حضور اقدس ﷺ کے دہن اقدس سے سنے نہ گئے اور آثار صحابہ کی طرف رجوع کرے گا جیسا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی پاک ﷺ نے نماز کسوف ایک رکوع اور دو سجدہ کے ذریعہ ادا فرمائی جیسا کہ تم دوسری نمازیں اسی طرح سے پڑھتے ہو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار

(۱) اصول الشاشی، ص: ۸۱، ۸۲، الاصل الثالث الإجماع بحث إذا تعارض الدليلان ما يفعل المجتهد، مجلس بركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور، اعظم گڑھ.

رکوع اور چار سجدوں کے ذریعہ دو رکعت ادا فرمائی ان دونوں حدیثوں میں تعارض کے وقت ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا (دوسری نمازوں پر قیاس کیا) پھر جب مجتہد کے نزدیک دو قیاس میں تعارض ہو تو وہ تحری کرے گا اور ان دو قیاسوں میں سے کسی ایک پر عمل کرے گا اس لیے کہ اس وقت اس کے پاس قیاس کے علاوہ کوئی دلیل نہیں جس کی طرف رجوع کیا جائے۔"

فتح القدیر میں ہے:"فشرط حل الإجتهاد أن لا يكون مخالفا للكتاب او السنة :يعنى المشهورة "(اجتہاد کے جائز و حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ: وہ کتاب اللہ یا سنت مشہورہ کے مخالف نہ ہو۔)(۱)

المستصفیٰ میں ہے:"والمجتهد فيه :هو كل حكم شرعى ليس فيه دليل قطعى " (مجتہد فیہ ہر وہ حکم شرعی ہے جس میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔)(۲)

فواتح الرحموت میں ہے:"أجمع الصحابة على أن مالا قاطع فيه محل الإجتهاد "(یعنی تمام صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ: جس مسئلہ میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو وہ مجتہدین کے اجتہاد کی جولان گاہ ہے۔)(۳)

الاِحکام فی اصول الأحکام میں ہے:"إن الإجماع من الصحابة واقع على أن كل مسئلة لا تكون مجمعا عليها ولا فيها نص قاطع أنه يجوز الاجتهاد فيها" (یعنی تمام صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ: جس مسئلہ میں اجماع قطعی اور نص قطعی نہ ہو وہ اجتہاد کا محل ہے۔) (۴)

دلیل قطعی قرآن کریم کا نص مفسر، خبر مشہور و متواتر اور اجماع یقینی ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:"قام عليه دليل قطعى وهو نص المفسر من الكتاب الكريم او الخبر المشهور والمتواتر والإجماع "(یعنی دلیل قطعی قرآن کریم کا نص مفسر، خبر

(۱) فتح القدیر، کتاب آداب القاضی، ص:۳۹۳، ج:۶ دار الکتب العلمیہ بیروت
(۲) المستصفیٰ لابی حامد محمد بن محمد الغزالی، ص:۳۴۵، ج:۱، بیروت لبنان۔
(۳) فواتح الرحموت، ص:۲۷۸، ج:۲، داراحیاء التراث العربی۔
(۴) الاِحکام فی اصول الأحکام، ص:۲۹۱، ج:۱، دار الکتاب العربی بیروت۔

مشہور و متواتر اور اجماع قطعی و یقینی ہے۔[1]

ان عبارتوں سے صاف روشن ہے کہ جن مسائل میں اجماع قطعی یا نص قطعی موجود ہے ان میں اجتہاد کی قطعاً گنجائش نہیں۔

اگر امام کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو صحیح حدیث پر عمل کرنا قول امام پر عمل کرنا ہے؟

ابن الشحنه کی "شرح هدایه" علامہ بیری کی "شرح اشباہ" اور "ردالمحتار" میں ہے: "إذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث و يكون ذالك مذهبه و لا يخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به فقد صح عنه أنه قال: "إذا صح الحديث فهو مذهبي"[2]

"جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے اور خلافِ مذہب ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے اور یہی ان کا مذہب ہوگا اور اس حدیث پر عمل کرنے کے سبب مقلد حنفی ہونے سے خارج نہ ہوگا کیوں کہ یہ بات صحیح سند سے ثابت ہے کہ: امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جب صحیح حدیث ثابت ہو جائے تو وہ میرا مذہب ہے۔"

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اس مقام کی تحقیق انیق فرماتے ہوئے، اسے عرشِ تحقیق تک پہنچاتے ہوئے، مخالفتِ امام کے دعویٰ کی حقیقت کشا کرتے ہوئے اور مخالفین کی ناپاک آرزوؤں کو خاک میں ملاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"أقول: يريد الصحة فقهًا و يستحيل معرفته إلا للمجتهد، لا الصحة المصطلحة عند المحدثين كما بينته في "الفضل الموهبي" بدلائل قاهرة يتعين استفادتها."[3]

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب آداب القاضی، ص:۴، ج:۷، مرکز اہل سنت برکات رضا۔

(۲) رد المحتار مطلب عن الامام إذا صح الحديث الخ، ج:۱، ص:۵۰، البابی مصر.

(۳) فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱، ص:۱۱۴، رسالہ اجلی الاعلام إن الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام رضا اکیڈمی، ممبئی.

”میں کہتا ہوں: اس سے فقہی صحت مراد ہے اور مجتہد کے علاوہ کسی اور کے لیے اس صحت کی معرفت محال ہے اس میں وہ اصطلاحی صحت مراد نہیں جو محدثین کے نزدیک ہے میں نے اپنے رسالہ ”الفضل الموہبی“ میں قاہر دلیلوں سے اسے بیان کر دیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ محدثین کی اصطلاح میں صحت حدیث کا معنیٰ اور ہے اور فقہائے مجتہدین کی اصطلاح میں صحت کا معنیٰ اور ہے کوئی ضروری نہیں کہ محدثین کے نزدیک جو میزان صحت ہو وہی فقہا کے یہاں بھی میزان صحت ہو اس لیے کہ فقہائے مجتہدین کے نزدیک صحت حدیث کی شرطیں کچھ اور ہیں، بسا اوقات امام مجتہد کے نزدیک حدیث صحیح مأوّل یا مرجوح یا کسی وجہ سے متروک العمل ہوتی ہے۔ امامِ اہلِ سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

”أقول و باللہ التوفیق: صحت حدیث علی مصطلح الاثر و صحت حدیث بعمل المجتہدین میں عموم خصوص مطلق بلکہ من وجہ ہے کبھی حدیث سنداً ضعیف ہوتی ہے اور ائمۂ امت واُمنائے ملت بنظر قرائن خارجہ یا مطابقت قواعد شرعیہ اس پر عمل فرماتے ہیں کہ ان کا یہ عمل ہی موجب تقویت و صحت حدیث ہوجاتا ہے۔ یہاں صحت، عمل پر متفرع ہوئی نہ عمل، صحت پر امام ترمذی نے حدیث: ”من جمع بین الصلاتین من غیر عذر فقد أتی بابا من أبواب الکبائر“ روایت کرکے فرمایا:

”حنش ھذا ھو أبو علي الرحبي وھو حنش بن قیس وھو ضعیف عند أھل الحدیث ضعفه أحمد و غیرہ والعمل علی ھذا عند أھل العلم.“[1]

اس حدیث کا راوی ”حنش بن قیس“ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے امام احمد وغیرہ نے اس کی تضعیف فرمائی اور علما کا عمل اسی پر ہے۔

امام جلال الدین سیوطی کتاب ”التعقبات علی الموضوعات“ میں فرماتے ہیں:

(۱) سنن ترمذی، باب ماجاء فی جمع بین الصلوتین، ص:۲۶، ج:۱، مجلس برکات۔

”أشار بذالك إلى أن الحديث اعتضد بقول أهل العلم وقد صرح غير واحد بأن من دليل صحة الحديث قول أهل العلم به وإن لم يكن له إسناد يعتمد على مثله.“(۱)

”یعنی امام ترمذی نے اس سے اشارہ فرمایا: کہ حدیث کو قول علما سے قوت مل گئی اور بے شک متعدّد ائمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ: اہل علم کی موافقت بھی صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے، اگرچہ اس کے لیے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔“

امام شمس الدین سخاوی ”فتح المغیث“ میں شیخ ابوالحسن قطان سے ناقل:

”هذا القسم لا يحتج به كله بل يعمل به في فضائل الأعمال و يتوقف عن العمل به في الأحكام إلا إذا كثرت طرقه أو عضده اتصال عمل أو موافقةُ شاهدٍ صحيح أو ظاهر القرآن.“(۲)

”حدیث ضعیف حجت نہیں ہوتی بلکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کریں گے اور احکام میں اس پر عمل سے باز رہیں گے مگر جب کہ اس کی سندیں کثیر ہوں یا عمل علما کے ملنے یا کسی شاہد صحیح یا ظاہر قرآن کی موافقت سے قوت پائے۔“

امام محقق علی الاطلاق ”فتح القدير: باب صفة الصلاة“ میں فرماتے ہیں:

”ليس معنى الضعيف: الباطل في نفس الأمر بل مالم يثبت بالشروط المعتبرة عند أهل الحديث مع تجويز كونه صحيحا في نفس الأمر فيجوز أن يقترن قرينة تحقق ذالك وأن الراوي الضعيف أجاد في هذا المتن المعيَّن فيحكم به.“(۳)

”ضعیف کے یہ معنیٰ نہیں کہ: واقع میں باطل ہے بلکہ یہ کہ ان شرطوں پر ثابت نہ ہوئی جو محدثین کے نزدیک معتبر ہیں واقع میں جائز ہے کہ صحیح ہو تو ہو سکتا ہے کہ کوئی قرینہ ایسا

(۱) التعقبات علی الموضوعات، باب الصلوۃ، ص:۱۲، المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ
(۲) فتح المغیث، القسم الثانی فی الحس، دار الامام الطبری، ص:۸۰، ج:۱
(۳) فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، ص:۳۱۳، ج:۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت

ملے جو اس جواز کی تحقیق کر دے اور بتا دے کہ ضعیف راوی نے یہ خاص حدیث ٹھیک روایت کی ہے تو اس کی صحت پر حکم کر دیا جائے گا۔“

بارہا حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام مجتہد اس پر عمل نہیں فرماتا خواہ (۱) یوں کہ اس کے نزدیک یہ حدیث نا متواتر نسخ کتاب اللہ چاہتی ہے (۲) یا حدیث آحاد زیادت علی الکتاب کر رہی ہے۔ (۳) یا حدیث موضع تکرر وقوع و عموم بلویٰ یا کثرت مشاہدین و توفّر دواعی میں آحاد آئی ہے۔ (۴) یا اس پر عمل میں تکرار نسخ لازم آتی ہے۔ (۵) یا دوسری حدیث صحیح اس کی معارض اور وجوہ کثیرۂ ترجیح میں کسی وجہ سے اس پر ترجیح رکھتی ہے۔ (۶) یا وہ بحکم جمع و تطبیق و توفیق بین الادلہ ظاہر سے مصروف و مؤول ٹھہری ہے (۷) یا بحالت تساوی و عدم امکانِ جمع مقبول و جہل تاریخ بعد تساقطِ ادلۂ نازلہ یا موافقت اصل کی طرف رجوع ہوئی ہے۔ (۸) یا عمل علما اس کے خلاف پر ماضِی ہے۔ (۹) یا مثل مخابرۂ تعامل امت نے راہِ خلاف دی ہے۔ (۱۰) یا حدیث مفسر کی صحابی راوی نے مخالفت کی ہے۔ (۱۱) یا علت حکم مثل سہم بمؤلفۃ القلوب وغیرہ اب منتفی ہے۔ (۱۲) یا مثل حدیث: ”لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ“ مبنائے حکم حال عصر یا عرف مصر تھا کہ یہاں یا اب منقطع و منتہی ہے۔ (۱۳) یا مثل حدیث شبہات اب اس پر عمل ضِیق شدید و حرج فی الدین کی طرف داعی ہے۔ (۱۴) یا مثل حدیث تغریب عام اب فتنہ و فساد ناشی ہے۔ (۱۵) یا مثل حدیث ضجعۂ فجر و جلسۂ استراحت منشا کوئی امر عادی یا عارضِی ہے (۱۶) یا مثل جہر بآیت فی الظہر احیاناً یا جہر فاروق بدعائے قنوت حامل کوئی حاجت خاصہ نہ تشریع دائمی ہے۔ (۱۷) یا مثل حدیث: ”عليك السلام تحية الموتى“ مقصود مجرد اخبار نہ حکم شرعی ہے۔ إلى غير ذالك من الوجوه التي يعرفها النبيه ولا يبلغ حقيقة كنهها إلا المجتهد الفقيه.

تو مجرد صحت مصطلحۂ اثر صحت عمل مجتہد کے لیے ہرگز کافی نہیں حضرات عالیۂ صحابۂ کرام سے لے کر پچھلے ائمۂ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تک کوئی ایسا نہیں جس نے بعض احادیث صحیحہ کو مأول یا مرجوح یا کسی نہ کسی وجہ سے متروک العمل نہ ٹھہرایا ہو۔[1]

---

(۱) رساله الفضل الموهبي في معنىٰ إذا صحّ الحديث فهو مذهبي، ص: ۳، ٤، ٥، ٦.

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی اس تحقیق انیق سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ محدثین کے نزدیک حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام مجتہد اس پر عمل نہیں فرماتا جس کے مختلف وجوہ واسباب ہیں جن کی حقیقت تک فقیہ مجتہد ہی کی رسائی ہوتی ہے حضرات صحابۂ کرام سے لے کر پچھلے ائمۂ مجتہدین تک کوئی مجتہد ایسا نہیں جس نے بعض صحیح حدیثوں کو مأول یا مرجوح یا کسی نہ کسی وجہ سے متروک العمل نہ ٹھہرایا ہو جس سے معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک کسی حدیث کا پایۂ صحت کو پہنچنا اس حدیث پر مجتہد کے عمل کے صحیح ہونے کے لیے کافی نہیں تو محدثین کے نزدیک حدیث صحیح ہے مگر مجتہد کے نزدیک اس پر عمل کی صحت کی شرط مفقود ہے جس کے سبب مجتہد نے اس حدیث پر عمل نہ فرمایا اب اگر کوئی مدعی مخالفت امام اس حدیث کی صحت کی طرف نظر کرے اور مجتہد کے نزدیک اس حدیث پر صحتِ عمَل کی شرط سے صرفِ نظر کرے اور امام کے مذہب کی مخالفت کرے تو کیا مخالفتِ امام کی شرط متحقق ہوئی؟ امام احمد رضا قدس سرہ اس مقام کی تحقیق وتوضیح فرماتے ہوئے اور اس کی روشن شہادتیں پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارۂ تیمم جنب پر عمل نہ کیا اور فرمایا: "اتق اللہ یا عمّار کما في صحیح مسلم."[1]

یوں ہی حدیث فاطمہ بنت قیس دربارۂ عدم النفقة و السکنی للمبتوتہ پر اور فرمایا:

"لا نترك كتاب ربنا و لا سنة نبينا بقول امرأة. لا ندري حفظت أم نسيت" رواه مسلم ايضا.[2]

یوں ہی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث مذکور تیمم پر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"أولم تر عمر لم يقنع بقول عمار كما في الصحيحين."[3]

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الحیض، باب التیمم، ص:۱۶۱، ج:۱ قدیمی کتب خانہ کراچی۔
(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، ص:۴۸۵، ج:۱، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
(۳) الصحیح للبخاری، کتاب التیمم، باب إذا خاف الجنب علی نفسہ الخ، ص:۵۰، ج:۱، مجلس برکات

یوں ہی حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث مذکور فاطمہ پر اور فرمایا:

"مالفاطمة ألا تتقي الله" رواه البخاري.[1]

یوں ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

"الوضوء مما مست النار."[2]

پر اور فرمایا:

"أنتوضأ من الحميم؟" رواه الترمذي.[3]

یوں ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

"انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يستلم هذين الركنين."[4]

پر اور فرمایا: "ليس شيئ من البيت مهجورا كما في البخاري من رواية الحموي والمستملي."[5]

یوں ہی جماہیر ائمۂ صحابہ و تابعین ومَنْ بعدھم نے حدیث: "الوضوء من لحوم الإبل" پر وهو صحيح معروف من حديث البراء وجابر بن سمرة وغيرهما رضى الله تعالىٰ عنهم.[6]

امام دار الہجرۃ عالم المدینہ سیدنا مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"العمل أثبت من الأحاديث."[7]

عملِ علما حدیثوں سے زیادہ مستحکم ہے۔

ان کے اتباع نے فرمایا:

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الطلاق، باب قصۃ فاطمۃ بنت قیس، ص:۸۰۲، ج:۲، مجلس برکات

(۲) سنن الترمذی، باب الوضوء مما غیرت النار، ص:۱۲، ج:۱، مجلس برکات

(۳) المصدر السابق

(۴) الصحیح للبخاری، کتاب المناسک، باب من لم یستلم اِلا الرکنین الیمانیین، ص:۲۱۸، ج:۱، مجلس برکات

(۵) المصدر السابق

(۶) ترمذی، باب الطہارۃ، باب الوضوء من لحوم الابل، ص:۱۲، ج:۱، مجلس برکات

(۷) المدخل لابن الحاج، فصل فی ذکر النعوت، ص:۱۲۲، ج:۱، دار الکتب العربی بیروت۔

"إنه لضعيف أن يقال في مثل ذالك حدثني فلان عن فلان." [1]

ایسی جگہ حدیث سنانا پوچ بات ہے۔ ایک جماعت ائمۂ تابعین کو جب دوسروں سے ان کے خلاف حدیثیں پہنچتیں فرماتے:

"مانجهل هذا ولٰكن مضى العمل على غيره." [2]

ہمیں ان حدیثوں کی خبر ہے مگر عمل اس کے خلاف پر گزر چکا۔ امام احمد بن ابی بکر بن جریر سے بارہا ان کے بھائی کہتے: تم نے فلاں حدیث پر کیوں نہ حکم کیا؟ فرماتے:

"لم أجد الناس عليه." [3] میں نے علما کو اس پر عمل کرتے نہ پایا۔

بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ، امام المحدثین عبد الرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں:

"السنة المتقدمة من سنة أهل المدينة خير "من الحديث".

اہلِ مدینہ کی پرانی سنت حدیث سے بہتر ہے۔

"نقل هذه الأقوال الخمسة الإمام أبو عبد الله محمد بن الحاج العبدري المكي المالكي في مدخله في فصل في النعوت المحمدية وفيه في فصل في الصلاة على الميت في المسجد ماورد من أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على سهيل بن بيضاء في المسجد فلم يصحبه العمل والعمل عند مالك رحمه الله تعالىٰ أقوى الخ."

خود میاں نذیر حسین صاحب دہلوی "معیار الحق" میں لکھتے ہیں:

"بعض ائمہ کا ترک کرنا بعض احادیث کو فرع تحقیق ان کی ہے کیوں کہ انھوں نے اُن احادیث کو احادیث قابل عمل نہیں سمجھا بدعوی نسخ یا بدعوی ضعف اور امثال اس کے الخ۔" [4]

اس "امثال" کے بڑھانے نے کھول دیا کہ بے دعویٰ نسخ یا ضعف بھی ائمہ بعض

(۱) المصدر السابق

(۲) المصدر السابق

(۳) المصدر السابق

(۴) معیار الحق، ص:۱۵۱، مکتبہ نذیریہ لاہور۔

احادیث کو قابل عمل نہیں سمجھتے اور بے شک ایسا ہی ہے خود اسی "معیار" میں حدیث جلیل صحیح بخاری شریف: "حتیٰ ساوی الظل التلول" بعض مقلدین شافعیہ کی ٹھیٹ تقلید کر کے بحیلۂ تاویلات باردہ کاسدہ ساقطہ فاسدہ متروک العمل کر دیا اور عذر گناہ کے لیے بولے کہ "جمعاً بین الأدلۃ یہ تاویلیں حقہ کی گئیں۔" اور اس کے سوا اور بہت احادیث صحاح کو محض اپنا مذہب بنانے کے لیے بدعاوی باطلہ عاطلہ ذاہلہ زائلہ بے دھڑک واہیات و مردود بتاؤ جس کی تفصیل جلیل فقیر کے رسالہ "حاجز البحرین الواقي عن جمع الصلاتین" میں مذکور یہ رسالہ صرف ایک مسئلہ میں ہے اس کے متعلق حضرت کی ایسی کارروائیاں وہاں شمار میں آئیں باقی مسائل کی کارگزاریاں کس نے گنیں اور کتنی پائیں۔ ع

قیاس کن زگلستانِ او بہارش را

بالجملہ موافق مخالف کوئی ذی عقل اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ:

"مجرد صحت اثری صحت عملی کو مستلزم نہیں بلکہ محال ہے کہ مستلزم ہو ورنہ ہنگامۂ صحتِ متعارضین قول بالمتنافیین لازم آئے اور وہ عقلاً ناممکن تو بالیقین اقوال مذکورۂ سوال اور ان کے امثال میں صحتِ حدیث سے صحت عملی اور خبر سے وہی خبر واجب العمل عند المجتہد مراد۔"

پھر نہایت اعلیٰ بدیہیات سے ہے کہ: اگر کوئی حدیث مجتہد نے پائی اور براہِ تاویل خواہ دیگر وجوہ سے اس پر عمل نہ کیا تو وہ حدیث اس کا مذہب نہیں ہو سکتی ورنہ وہی استحالۂ عقلی سامنے آئے کہ: وہ تو صراحۃً اس کا خلاف فرما چکا۔

تو آفتاب سے روشن تر وجہ پر ظاہر ہوا کہ کوئی حدیث بزعم خود مذہب امام کے خلاف پاکر بحکم اقوال مذکورۂ امام ("إذا صح الحدیث فهو مذهبي" اترکوا قولی بخبر الرسول صلی اللہ علیه وسلم) دعوے کر دینا کہ "مذہب امام اس کے مطابق ہے" دو امر پر موقوف:

اولاً: یقیناً ثابت و معلوم ہو کہ: یہ حدیث امام کو نہ پہنچی تھی کہ بحال اطلاع، مذہب اس کے خلاف ہے نہ اس کے موافق لا جرم علامہ زرقانی نے "شرح مؤطا شریف" میں تصریح فرمائی:

”قد علم أن كون الحديث مذهبه محله إذا علم أنه لم يطلع عليه أما إذا احتمل اطلاعه عليه وأنه حمله على محمل فلا يكون مذهبه.“(۱)

”یعنی ثابت ہو چکا ہے کہ: کسی حدیث کا مذہب مجتہد ہونا صرف اس صورت میں ہے جب کہ یقین ہو کہ یہ حدیث مجتہد کو نہ پہنچی تھی ورنہ اگر احتمال ہو کہ اس نے اطلاع پائی اور کسی دوسرے محمل پر حمل کی تو یہ اس کا مذہب نہ ہوگی۔“

ثانیاً: یہ حکم کرنے والا احکامِ رجال و متون و طرق احتجاج و وجوہ استنباط اور ان کے متعلقات اصول مذہب پر احاطۂ تامہ رکھتا ہو یہاں اسے چار منزلیں سخت دشوار گزار پیش آئیں گی جن میں سے ہر ایک دوسرے سے سخت تر ہے۔(۲)

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جن چار منزلوں کا ذکر فرمایا وہ گزشتہ سطور میں مذکور ہو چکیں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ان گراں قدر تحقیقات نے اس حقیقت کو روشن کر دیا کہ امام کے کلام: ”إذا صح الحديث فهو مذهبي“ کا معنٰی یہ ہے کہ: جب حدیث مجتہد کے عمل کے اعتبار سے پایۂ صحت کو پہنچ جائے تو وہ میرا مذہب ہے۔ اگر حدیث عملِ مجتہد کے اعتبار سے پایۂ صحت کو نہ پہنچی تو محض صحت مصطلحہ عند المحدثین کے اعتبار سے امام کے مذہب کی مخالفت کر کے حدیث پر عمل کرنا مذہب امام پر عمل کرنا نہ ہوگا اور مذہب امام کی طرف اس کی نسبت صحیح نہ ہوگی اس لیے کہ مذہب امام کی طرف نسبت کی صحت کے لیے صحتِ عمل مجتہد درکار ہے نہ کہ صحت مطلحۂ اثر۔

نیز روشن ہوا کہ امام کے قول: ”اتركوا قولي بخبر الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم“ میں جس خبر رسول کی بنیاد پر قولِ امام کے ترک کا حکم ہے اس خبر سے وہ خبر مراد ہے جو مجتہد کے نزدیک واجب العمل ہے اور امام کے ان اقوال کی بنیاد پر امام کے مذہب کے خلاف کسی حدیث کو پاکر مذہب امام کو ترک کر کے اس حدیث پر عمل کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ: مذہب امام کے مطابق ہے اور اس سے حنفی مقلد ہونے سے خارج نہ ہوگا دو امر پر موقوف

(۱) شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک۔

(۲) الفضل الموهبي في معنىٰ إذا صح الحديث فهو مذهبي، ص: ٦ تا ٩.

ہے، جسے امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ذکر فرمایا جو گزر چکا اور اس دعوے کا حق کسے ہے امام احمد رضا نے اسے اس طرح واضح فرمادیا ہے کہ کسی کے لیے مجال دم زدن نہیں، فرماتے ہیں:

امام شیخ الاسلام زکریا انصاری قدس سرہٗ الباری نے فرمایا:

"إیاکم أن تبادروا إلی الانکار علیٰ قول مجتهد أو تخطئته إلا بعد إحاطتکم بأدلة الشریعة کلها و معرفتکم بجمیع لغات العرب التي احتوت علیها الشریعة و معرفتکم بمعانیها و طرقها."

"خبردار مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اسے خطا کی طرف نسبت نہ کرنا جب تک شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کرلو، جب تک تمام لغاتِ عرب جن پر شریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو جب تک ان کے معانی ان کے راستے جان نہ لو۔"

اور ساتھ ہی فرمادیا: "و أنّٰی بذالك؟" بھلا کہاں تم اور کہاں یہ احاطہ۔

نقله الإمام العارف بالله عبد الوهاب الشعرانی فی المیزان.

"ردالمحتار" جس کی عبارت سوال میں نقل کی خود اسی "ردالمحتار" میں اسی عبارت کے متّصل اس کے معنیٰ فرمادیے تھے کہ وہ سائل نے نقل نہ کیے، فرماتے ہیں:

"ولا یخفی أن ذالك لمن کان أهلا للنظر في النصوص و معرفة محکمها من منسوخها فإذا نظر أهل المذهب في الدلیل و عملوا به صح نسبته إلی المذهب."(۱)

یعنی ظاہر ہے کہ امام کا یہ ارشاد اس شخص کے حق میں ہے جو نصوص شرع میں نظر اور ان کے محکم و منسوخ کو پہچاننے کی لیاقت رکھتا ہو تو جب اصحاب مذہب دلیل میں نظر فرماکر اس پر عمل کریں اس وقت اس کی نسبت مذہب کی طرف صحیح ہے۔

اور شک نہیں کہ جو شخص ان چاروں منازل کو طے کر جائے وہ مجتہد فی المذہب ہے جیسے مذہب مہذب حنفی میں امام ابو یوسف و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلا شبہہ ایسے ائمہ کو اس حکم و دعویٰ

---

(۱) ردالمحتار المطبوع علی درالمختار، مقدمۃ الکتاب،، ص:۴۶، ج:۱، دار احیاء التراث العربی

کا منصب حاصل ہے اور وہ اس کے باعث اتباعِ امام سے خارج نہ ہوئے کہ اگرچہ صورۃً اس جزئیہ میں خلاف کیا مگر معنیً اذن کلی امام پر عمل فرمایا۔

پھر وہ بھی اگرچہ ماذون بالعمل ہوں یہ جزمی دعوے کہ: ”اس حدیث کا مفاد خواہی نہ خواہی مذہب امام ہے۔“ نہیں کرسکتے، نہایتِ کار ظن ہے ممکن کہ ان کے مدارک، مدارک عالیۂ امام سے قاصر رہے ہوں اگر امام پر عرض کرتے وہ قبول نہ فرماتے تو مذہب امام پر تیقن تام وہاں بھی نہیں۔

خود اجل ائمۂ مجتہدین فی المذہب **قاضی الشرق والغرب سیدنا امام ابو یوسف** رحمہ اللہ تعالیٰ جن کے مدارج رفیعۂ حدیث کو موافقین و مخالفین مانے ہوئے ہیں امام مزنی تلمیذ جلیل امام شافعی نے فرمایا: ”هو أتبع القول للحديث“[1]

امام یحییٰ بن معین نے باآں تشدد فرمایا:

”ليس في أصحاب الرأي أكثر حديثا ولا أثبت من أبي يوسف.“[2]

نیز فرمایا: ”صاحب حديث وصاحب سنة“[3]

امام ابن عدی نے کامل میں کہا:

”ليس في أصحاب الرأي أكثر حديثا منه.“[4]

امام ابو عبد اللہ ذہبی شافعی نے اس جناب کو حفاظ حدیث میں شمار اور کتاب ”تذکرۃ الحفاظ“ میں بعنوان ”الإمام العلامة فقيه العراقين“[5] ذکر کیا۔

یہ امام ابو یوسف باایں جلالت شان حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرماتے ہیں:

”ماخالفته في شيئ قط فتدبرته إلا رأيت مذهبه الذي ذهب إليه أنجى في الآخرة وكنت ربما ملتُ إلى الحديث فكان هو أبصر بالحديث

(۱) تذکرۃ الحفاظ، ج:۱، ص:۲۹۶، دار احیاء التراث العربی بیروت
(۲) میزان الاعتدال، ص:۴۴۷، ج:۴، دار المعرفہ بیروت
(۳) تذکرۃ الحفاظ، ص:۲۱۴، ج:۱، دار الکتب العلمیہ
(۴) میزان الاعتدال ص:۴۴۷، ج:۴، دار المعرفہ بیروت
(۵) تذکرۃ الحفاظ، ص:۲۱۴، ج:۱، دار اللتب العلمیہ بیروت۔

الصحيح مني.“[1]

”کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے کسی مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلاف کر کے غور کیا ہو مگر یہ کہ انھیں کے مذہب کو آخرت میں زیادہ وجہِ نجات پایا اور ہوتا کہ میں حدیث کی طرف جھکتا پھر تحقیق کرتا تو امام مجھ سے زیادہ حدیث صحیح کی نگاہ رکھتے تھے۔“

نیز فرمایا: ”امام جب کسی قول پر جزم فرماتے میں کوفہ کے ائمۂ محدثین پر دورہ کرتا کہ دیکھوں ان کی تقویتِ قول میں کوئی حدیث یا اثر پاتا ہوں بارہا دو تین حدیثیں میں امام کے پاس لے کر حاضر ہوتا ان میں کسی کو فرماتے: ”صحیح نہیں“کسی کو فرماتے: ”معروف نہیں“ میں عرض کرتا: حضور کو اس کی کیا خبر؟ حالاں کہ یہ تو قول حضور کے موافق ہیں، فرماتے: میں علم اہلِ کوفہ کا عالم ہوں۔“ذكره كله الإمام ابن حجر في الخيرات الحسان.“

بالجملہ نابالغانِ رتبۂ اجتہاد نہ اصلاً اس کے اہل، نہ ہرگز یہاں مراد، نہ کہ آج کل کے مدعیانِ خام کار جاہلانِ بے وقار کہ من و تو کا کلام سمجھنے کی لیاقت نہ رکھیں اور اساطینِ دینِ الٰہی کے اجتہاد پر کھیں۔

اسی ”ردالمحتار“ کو دیکھا ہوتا کہ انھیں امام ابن الشحنہ و علامہ محمد بن محمد البہنسی استاذ علامہ نور الدین علی قادری باقانی و علامہ عمر بن نجیم مصری صاحب ”نہر فائق“ و علامہ محمد بن علی دمشقی حصکفی صاحب ”در مختار“ وغیرہم کیسے کیسے اکابر کی نسبت تصریح کی کہ:

”مخالفتِ مذہب درکنار، روایاتِ مذہب میں ایک کو راجح بنانے کے اہل نہیں۔“

کتاب الشہادات باب القبول میں علامہ سائحانی سے ہے:

”ابن الشحنه لم يكن من أهل الاختيار.“[2]

کتاب الزکاۃ باب صدقۃ الفطر میں ہے:

”البهنسي ليس من أصحاب التصحيح“[3]

---

(۱) الخیرات الحسان، ص:۲۱۴، ج:۱، دار الکتب العلمیہ بیروت۔
(۲) ردالمحتار، کتاب الشہادات، باب القبول وعدمہ، ص:۳۸۳، ج:۴، دار احیاء التراث العربی بیروت۔
(۳) ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر، ص:۷۶، ج:۲، دار احیاء التراث العربی۔

کتاب النکاح باب الحضانۃ میں ہے:

"صاحب النهر ليس من أهل الترجيح."[1]

کتاب الرہن میں ایک بحث علامہ شارح کی نسبت ہے:

"لا حاجة إلى إثباته بالبحث و القياس الذي لسنا أهلا له."[2]

ان کی بھی کیا گنتی خود اکابر اراکین مذہب اعاظم اجلۂ رفیع المرتبت مثل امام کبیر خصّاف و امام اجل ابو جعفر طحاوی و امام ابوالحسن کرخی و امام شمس الائمہ حلوانی و امام شمس الائمہ سرخسی و امام فخر الاسلام علی بزدوی و امام فقیہ النفس فخر الدین قاضی خان و امام ابوبکر رازی و امام ابوالحسن قدوری و امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ وغیرہم اعاظم کرام "أدخلهم الله تعالىٰ في دار السلام" کی نسبت رسالۂ علامہ ابن کمال باشا رحمہ اللہ تعالیٰ سے تصریح نقل کی:

"انهم لا يقدرون على شيءٍ من المخالفة لا في الأصول و لا في الفروع."[3]

"وہ اصلاً مخالفتِ امام پر قدرت نہیں رکھتے نہ اصول میں نہ فروع میں۔"

جب یہ حضرات مخالفت امام پر قدرت نہیں رکھتے نہ اصول میں نہ فروع میں تو جو لوگ ان حضرات کے گرد پا کو نہیں پہنچ سکتے وہ مخالفتِ امام کا دعویٰ کس منھ سے کرتے ہیں؟ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوبات جلد اول مکتوب ۳۱۲ر میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس سے اس دعویٰ کی حقیقت مزید کشا ہو جاتی ہے اس لیے کہ آپ نے اس مکتوب میں تصریحاً تسلیم فرمایا کہ: (۱) التحیات میں انگلی اُٹھانا حضور اقدس ﷺ کی بہت سی حدیثوں میں وارد۔ (۲) وہ حدیثیں معروف و مشہور ہیں۔ (۳) مذہب حنفی میں بھی اختلاف ہے روایت نوادر میں خود امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ: حضور اقدس ﷺ فرماتے تھے: ہم بھی کریں گے۔ (۴) صاف یہ بھی فرما دیا کہ: یہی قول امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، (۵) اشارہ نہ فقط روایت بلکہ علمائے حنفیہ کا فتویٰ بھی دونوں طرف ہے با ایں ہمہ صرف اس وجہ

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الحضانہ، ص:۶۳۷۔ ج:۲، دار احیاء التراث العربی۔

(۲) ردالمحتار، کتاب الرھن، ص:۳۱۳، ج:۵، دار احیاء التراث العربی

(۳) الفضل الموہبی، ص: ۱۶، رضا اکیڈمی، ممبئی۔ ردالمحتار مقدمۃ الکتاب، ص:۵۳، ج:۱، دار احیاء التراث العربی۔

سے کہ روایات اشارہ ظاہر الراویہ نہیں صاف صاف فرماتے ہیں کہ:

"مامقلداں رانمی رسد کہ بمقتضائے احادیث عمل نمودہ جرأت در اشارت نمائیم۔"[1]

"ہم مقلدوں کو جائز نہیں کہ حدیثوں پر عمل کر کے اشارے کی جرأت کریں۔"

جب ایسی سہل و نرم حالت میں حضرت امام ربانی کا یہ قاہر ارشاد ہے تو جہاں فتوائے حنفیہ مختلف نہ ہو، جہاں سرے سے اختلاف روایت ہی نہ ہو وہاں خلافِ مذہب امام حدیث پر عمل کرنے کو کیا کچھ نہ فرمائیں گے۔[2]

حضرت امام ربانی نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ: اقوال امام کے مقابل ایسی معروف حدیثیں جیسی رفع یدین و قراءت مقتدی وغیرہما میں آئیں کسی طرح احادیث اشارہ سے اشتہار میں کم نہیں وہی پیش کرے گا جو نِرا بے عقل یا معاند و ہٹ دھرم ہے کہ نہ وہ حدیثیں امام سے چھپ رہنے کی تھیں، نہ معاذ اللہ امام اپنی رائے سے حدیث کا خلاف کرنے والے تو ضرور کسی دلیل قوی شرعی سے اس پر عمل نہ فرمایا۔

آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ:

ہمیں جواب احادیث معلوم ہو جانا کچھ ضرور نہیں، اس قدر اجمالاً جان لینا بس ہے کہ ہمارے عالموں کے پاس وجہ موجود ہوگی۔

آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ:

ہمارے علم میں کسی مسئلہ مذہب پر دلیل نہ ہونا در کنار اگر صراحۃً اس کے خلاف پر ہمیں دلیل معلوم ہو جب بھی ہمارا علم کچھ معتبر نہیں اسی مسئلۂ مذہب پر عمل رہے گا۔

یہ بھی فرمادیا کہ:

ہمارے سلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جیسا علم حدیث تھا، جیسا وہ صحیح و ضعیف و منسوخ و نامنسوخ پہچانتے تھے بعد کے لوگ ان کی برابری نہیں کر سکتے کہ نہ انھیں ویسا علم نہ یہ اس قدر زمانۂ رسالت سے قریب۔

---

(۱) مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر ۳۱۲، ص: ۴۴۸، ج: ۱، نولکشور۔

(۲) ماخوذ از الفضل الموھبی، ص: ۲۱، ۲۲.

جب حضرت مجدد اپنے زمانہ کو ایسا فرمائیں تو اب تو اس پر بھی کئی سو برس گزر گئے آج کل کے الٹے سیدھے چند حروف پڑھنے والے کیا برابری ائمہ کی لیاقت رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں اس زمانہ میں مجتہد مطلق ہونا تو درکنار اصحاب تمیز بھی مفقود ہیں اس لیے مخالفت تو درکنار تقلید کے سوا چارۂ کار نہیں اس لیے کہ مخالفت کے لیے جامع شرائط اجتہاد ہونا ضروری ہے۔

روضۃ الطالبین میں ہے:

"أما الإجتهاد المطلق فقالوا: اختتم بالأئمة الأربعة حتى أوجبوا تقليد واحد من هؤلاء على أمة ونقل إمام الحرمين الإجماع عليه"[1]

ترجمہ: رہا اجتہاد مطلق تو فقہا نے فرمایا کہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا، یہاں تک کہ اب امت پر ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے اور امام الحرمین نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

"فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں ہے:

"غير المجتهد المطلق ولو كان عالما يلزمه التقليد لمجتهد ما."[2]

"غیر مجتہد مطلق اگرچہ عالم ہو اس پر کسی مجتہد کی تقلید لازم ہے۔"

سید سمہودی نے "عقد الفرید" میں فرمایا: "ويجب التقليد على من لم يبلغ رتبة الاجتهاد المطلق عاميا محضا أو غيره."[3]

"جو شخص اجتہاد مطلق کے مقام و مرتبہ پر فائز نہ ہو اس پر تقلید ضروری ہے خواہ وہ محض عامی ہو یا غیر عامی (عالم، محدث)"

صاحب "دراسات اللبيب فى الأسوة الحسنة بالحبيب" نے ابن حاجب کا یہ قول نقل کیا: "غير المجتهد يلزمه التقليد وإن كان عالما."

"غیر مجتہد پر تقلید لازم ہے اگرچہ وہ عالم کیوں نہ ہو۔"

---

(۱) نصر المقلدين، ص: ۱۳۱.

(۲) خاتمة الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه مسئلة غير المجتهد ولو عالما يلزمه التقليد، ج: ۲، ص: ٤٣٤، دار الكتب العلميه، بيروت.

(۳) انتصار الحق، ص: ۱۰۰.

اس کے بعد خود صاحب "دراسات" نے لکھا:

"فنقول: إن أراد العلامة بغير المجتهد: من ليس له رتبة الإجتهاد ولو في جزئي واحد مثلاً وهو العالم الملحق بالعامي الصرف من حيث لزوم التقليد عليه في جميع المسائل فكلامه في موافقة قول المحققين و حماية الدليل الواضح لا كلام عليه." (۱)

"ہم کہتے ہیں کہ: "غیر مجتہد کے لفظ سے اگر علامہ کی مراد یہ ہے کہ: جو عالم رتبۂ اجتہاد کو نہ پہنچے اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں مثلاً کیوں نہ ہو وہ عالم محض عامی جیسا ہے اس بات میں کہ اس پر جمیعِ مسائل میں مجتہد کی تقلید لازم ہے تو ان کا یہ کلام قول محققین کے موافق اور دلیل واضح کی حمایت میں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

اس سے صاف واضح ہے کہ مخالفت امام اور قرآن و حدیث سے مسائل کے استخراج کے لیے مجتہد ہونا ضروری ہے اور مجتہد ہونے کے لیے کثیر شرطیں ضروری ہیں جن کی تفصیل گزر چکی وہ شرطیں اس زمانہ میں کسی عالم کے اندر نہیں پائی جاتیں آج ہی نہیں بلکہ تیسری صدی ہجری ہی میں یہ بات پیدا ہوگئی تھی کہ ایسا کوئی شخص نہیں جو جامع شرائط اجتہاد ہو اس لیے اسی وقت پوری امت نے یہ اجماع کر لیا تھا کہ ہر خاص وعام، عالم و غیر عالم سب پر تقلید شخصی واجب ہے وہ بھی اس قید کے ساتھ کہ چاروں مشہور اماموں میں سے کسی ایک امام کی لیکن غیر مقلدین اس کا انکار کرتے ہیں مگر ان کے انکار کرنے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ غیر مقلدین، اللہ عزوجل اور اس کے رسول اعظم سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی و بے باکی اور ایک گستاخ و بے باک کو اپنا امام و پیشوا بنانے کی وجہ سے اسلام سے خارج اور بدمذہب و بددین ہیں اور کسی بددین کے اجماعی مسئلہ کا انکار کرنے سے اس کے اجماعی مسئلہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"خبثائے مبتدعین مثل وہابیہ و رافضیہ و غیر مقلدین امتِ اجابت سے نہیں کافروں کی طرح امت دعوت سے ہیں ولہذا اجماع میں ان کا اختلاف معتبر نہیں، اصول امام اجل فخر

(۱) نصر المقلدين، ص: ۱۱۱، ۱۱۲.

الاسلام بزدوی قدس سرہ مبحث اجماع باب الاہلیہ میں ہے:

"صاحب الهوى المشهور به ليس من الأمة على الإطلاق." گمرہیِ دینی میں مشہور صاحب ہوی علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے۔(ت)

توضیح طبع قسطنطنیہ جلد دوم ص:۵۰۶ میں ہے:

"صاحب البدعة يدعو الناس إليها ليس هو من الأمة على الإطلاق". اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا مبتدع علی الاطلاق امتی نہیں ہے۔(ت)

تلویح علامہ تفتازانی و مرقاۃ شرح مشکاۃ جلد پنجم ص ۶۵۴ میں ہے:

"لأن المبتدع وإن كان من أهل القبلة فهو من أمة الدعوة دون المتابعة كالكفار". اس لیے کہ مبتدع اگرچہ اہل قبلہ سے ہو وہ کافروں کی طرح امت دعوت سے ہے امت اجابت سے نہیں۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"بعد المأتين ظهر بينهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم وقل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هوا الواجب في ذالك الزمان."[2]

"دو صدی کے بعد خاص ایک مجتہد کے مذہب کا پابند بننا اہل اسلام میں ظاہر ہوا کم کوئی شخص تھا جو ایک معین امام پر اعتماد نہ کرتا ہو اور اس زمانہ میں یہی واجب تھا۔"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی "تفسیر مظہری" میں لکھتے ہیں:

"أهل السنة قد افترق بعد القرون الثلاثة أو الأربعة على أربعة مذاهب ولم يبق مذهب في فروع المسائل سوى هذه الأربعة."[3]

"اہلِ سنت تین یا چار قرن کے بعد ان چاروں مذاہب میں بٹ گئے اور فروع مسائل

---

(۱) فتاوی رضویہ، ۱۴/۲۸۵، ۲۸۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور، پاکستان۔

(۲) رسالہ انصاف: شاہ ولی اللہ، باب حکایة حال الناس قبل المأة الرابعة مکتبہ دار الشفقت استنبول، ترکی، ص:۱۹.

(۳) تفسیر مظھری: مسئلہ إذا صح الحدیث علی خلاف مذھبہ الخ ادارہ اشاعت العلوم، دھلی، ج:۲، ص:٦٤.

میں ان چاروں مذاہب کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا۔"

علامہ سید احمد طحطاوی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "حاشیۂ در مختار" میں فرمایا:

"فعليكم يا معشر المومنين باتباع الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة فإن نصرة الله وحفظه وتوفيقه في موافقتهم وخذ لانه وسخطه ومقته فى مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الأربعة هم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون ومن كان خارجا عن هذه المذاهب الأربعة فهو من من أهل النار."(۱)

"اے مؤمنو! تم پر فرقۂ ناجیہ "اہل سنت و جماعت" کی اتباع لازم ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حفاظت اور اس کی توفیق ان کی حمایت و موافقت میں ہے اور اس کی ناراضگی اور عذاب ان کی مخالفت میں ہے اور فرقۂ ناجیہ آج صرف مذاہب اربعہ "حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی" ہیں جو اِن چاروں مذہبوں سے خارج ہوگا وہ جہنمی ہے۔"

علامہ زین بن نجیم حنفی مصری متوفیٰ (۹۷۰ھ) نے "الاشباہ والنظائر" میں ارشاد فرمایا کہ: امام ابن ہمام نے "تحریر" میں یہ تصریح فرمائی کہ:

"إن الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب يخالف الأربعة لانضباط مذاهبهم وإشتهارها وكثرة أتباعها."(۲)

"بے شک اس بات پر اجماع ہے کہ: مذاہب اربعہ کے خلاف کسی مذہب پر عمل نہ کیا جائے اس لیے کہ چاروں مذاہب محفوظ و منضبط اور مشہور ہیں اور ان کے ماننے والے کثیر ہیں۔"

سیدی عارف باللہ علامہ عبد الغنی نابلسی صاحب "حديقۂ نديه" فرماتے ہیں:

"أعلم أن المذاهب الآن التي يجوز تقليدها هي المذاهب الأربعة لا غير فقد انحصر الآن العمل بشريعة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في

(۱) طحطاوی على الدر المختار، كتاب الذبائح، ج: ٤، ص: ١٥٣، مطبوعه دار المعرفة بيروت.
(۲) خلاصه التحقيق، ص: ٣، ٤.

العمل بما ذهب إليه أحد الأربعة فقط على العموم.“[1]

”یہ امر واضح رہے کہ: آج مذاہب اربعہ کے سوا کسی مذہب کی تقلید جائز نہیں، اس لیے کہ اس وقت بالعموم شریعت محمد ﷺ پر عمل مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک پر عمل میں منحصر ہے۔“

نیز علامہ نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”حديقة نديه“ میں فرمایا:

”فعلى كل مسلم من أهل السنة أن يقلد إحدى المذاهب الأربعة المعروفة إلى أن قال: ”ولن يكون من أهل السنة من لم يقلد إحدى المذاهب الأربعة و يقال له: لا مذهبي.“[2]

”تمام مسلمانانِ اہلِ سنت پر لازم ہے کہ مذاہب اربعہ معروفہ میں سے کسی ایک مذہب کی اتباع کرے۔“

آپ نے یہاں تک فرمایا:

”جو شخص ان چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کی اتباع نہ کرے وہ ہرگز اہل سنت سے نہیں وہ ”لامذہب“ کہلائے گا۔“

”عقود الجواهر المنيفه“ جو حدیث شریف میں مستند کتاب اور مقبول علمائے اولی الالباب ہے۔ محدث مصری سیدنا المرتضیٰ الحسینی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”أطبق الناس الآن على أن أهل السنة هم أهل المذاهب الأربعة.“

”تمام علما اس بات پر متفق ہیں کہ: سنی وہی لوگ ہیں جو ان چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک خاص مذہب کے پابند ہیں۔“

حضرت بحر العلوم رحمہ اللہ تعالیٰ ”فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت“ میں فرماتے ہیں:

---

(۱) خلاصه التحقيق، ص: ٤.

(۲) حديقهٔ نديه، ص: ۱۳.

”إنما منع من تقليد غيرهم لأنه لم تبق رواية مذهبهم محفوظة.“ (۱)

”چاروں مذہبوں کے علاوہ کسی اور مذہب کی تقلید واتباع سے اس لیے روکا گیا کہ ان چار مذاہب کے علاوہ کسی مذہب کی روایت محفوظ نہیں۔“

سند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ ”حجة الله البالغه“ میں فرماتے ہیں:

”إن هذه المذاهب الأربعة المدوَّنة المحرَّرة قد اجتمعت الأمة أو من يعتد به منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا و ذالك من المصالح مالا يخفى لاسيما في هذه الأيام التي قصرت فيها الهمم جدا و أشربت النفوس الهوى وأعجب كل ذي رأي برأيه.“ (۲)

”بے شک پوری امت یا اس میں سے معتد بہ افراد کا ان چاروں مدون اور تنقیح شدہ مسالک و مذاہب کی تقلید کے جائز ہونے پر آج تک اجماع ہے اور اس تقلید کی مصلحتیں پوشیدہ نہیں خاص کر اس زمانہ میں جس میں ہمتیں پست ہوگئی ہیں اور انسانی نفوس خواہشات میں مبتلا ہوگئے ہیں اور ہر صاحب رائے اپنی رائے میں خوش اور مست ہے۔“

ایک دوسرے مقام پر تقلید کی خوبیوں اور ترک تقلید کی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اعلم أن في الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة، وفي الإعراض عنها مفسدة كبيرة ونحن نبين ذالك بوجوه:

أحدها: أن الأمة قد اجتمعت على أن يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا في ذالك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذالك لأن الشريعة لايعرف إلا بالعقل والاستنباط والنقل لايستقيم إلا بأن يأخذ كل طبقة

(۱) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ج:۲، ص:۴۰۷.

(۲) حجة الله البالغه، ص:۳٦١.

عمن قبلها بالأتصال ولا بُدَّ في الاستنباط من أن يعرف مذاهب المتقدمين لئلا يخرج من أقوالهم فينخرق الإجماع و يُبنٰى و يستعين في ذالك بمن سبق لأن جميع الصناعات كالصرف والطب والشعر والحداد والتجارة والصياغة لم يتيسر لأحد إلا بملازمة أهلها وغير ذالك نادر بعيد لم يقع أقوالهم التي يعتمد عليها مروية بالإسناد الصحيح أو مدونة في كتب مشهورة وأن يكون منقحة يتبين الراجح من المرجوح من محتملاتها وتخصيص عمومها عليها وليس مذهب في هذه الأزمنة المتأخرة بهذه الصفة إلا هذه المذاهب الأربعة."[1]

"یہ بات واضح رہے کہ مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بڑا فساد ہے ہم انھیں چند طریقوں سے بیان کرتے ہیں:

اول یہ کہ: ساری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے تابعین نے اس معاملہ میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر، اسی طرح ہر طبقہ میں علما نے اپنے پہلے والوں پر اعتماد کیا اور عقلاً یہ ایک اچھی چیز ہے، اس لیے کہ نقل و استنباط کے بغیر شریعت کی معرفت ناممکن ہے اور نقل کی درستگی اسی طریقہ سے ہوگی کہ ہر طبقہ کے لوگ اپنے پہلے والوں سے متّصلاً حاصل کریں اور استنباط کے لیے یہ ضروری ہے کہ: متقدمین کے مذاہب کو جانا جائے تاکہ ان کے اقوال سے باہر نہ جائیں کہ خرقِ اجماع ہوجائے اور تاکہ انھیں اقوال کو بنیاد بنایا جائے اور اگلوں سے اس میں مدد لی جائے، اس لیے کہ تمام صنعتیں مثلاً سُناری، طب، شعر گوئی، لوہاری، تجارت اور رنگ ریزی کسی کو بھی صرف اُن کے ماہرین کے ساتھ کام کرنے سے میسر ہوتی ہے اور اس کے بغیر بہت نادر اور غیر واقع ہے اگرچہ عقلاً جائز و ممکن ہے اور جب یہ متعیّن ہوگیا کہ (شریعت کی معرفت میں) سلف کے اقوال ہی پر اعتماد ہے تو ضروری ہے کہ ان کے وہ اقوال جن پر اعتماد ہو اسناد صحیح کے ساتھ

---

(۱) عقد الجيد في أحكام الإجتهاد والتقليد، ص: ۳۱۰.

مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں مُدون ہوں اور یہ کہ منقح ہوں کہ ان محتملات میں راجح مرجوح سے ظاہر و واضح ہو اور عام کی تخصیص مذکور ہو، متضاد اقوال میں تطبیق ہو، احکام کی علتیں بیان کی گئی ہوں ورنہ ان پر اعتماد صحیح نہیں اور اس **پچھلے زمانہ میں ان چار مذاہب کے سوا کوئی مذہب اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں۔''**

ان ارشادات عالیہ سے روشن ہے کہ: دو صدی کے بعد ایک مجتہد کے مذہب کا پابند بننا مسلمانانِ عالم میں ظاہر ہوا اور تمام علما کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ: مذاہب اربعہ '' حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہی فرقۂ ناجیہ ہیں، ان مذاہب اربعہ کے خلاف کسی مذہب پر عمل نہ کیا جائے۔ ان چار مذہبوں کے علاوہ کسی اور مذہب پر عمل اور اس کی تقلید و اتباع سے اس لیے روکا گیا کہ ان مذاہب کے علاوہ کسی مذہب کی روایت محفوظ نہیں، صرف مذاہب اربعہ محفوظ و منضبط اور معروف و مشہور ہیں، ان مذاہب اربعہ میں سے کسی کی اتباع نہ کرنے والا ہرگز اہل سنت سے نہیں وہ جہنمی ہے ایسا شخص لامذہب کہلائے گا، ان مذاہب اربعہ پر عمل کرنے میں عظیم مصلحت اور ان سے اعراض کرنے میں بڑا فساد ہے، امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے، تابعین نے اس معاملہ میں صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا اسی طرح ہر طبقہ میں علما نے اپنے پہلے والوں پر اعتماد کیا اور عقلاً یہ اچھی چیز ہے اس لیے کہ نقل و استنباط کے بغیر شریعت کی معرفت ناممکن ہے اور نقل کی درستگی اسی طریقہ سے ہوگی کہ ہر طبقہ کے لوگ اپنے پہلے والوں سے متّصلاً اخذ و تحصیل کریں اور استنباط کے لیے یہ ضروری ہے کہ: متقدمین کے مذاہب کو جانا جائے اور انھیں کے اقوال کو بنیاد بنایا جائے اور انھیں سے مدد لی جائے تاکہ ان کے اقوال سے باہر ہونے پر خرق اجماع لازم نہ آئے اور جب شریعت کی معرفت میں اقوال سلف پر اعتماد متعیّن ہے تو ان کے معتمد اقوال کا صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہونا یا مشہور کتابوں میں مدوّن ہونا اور اس طرح منقح ہونا ضروری ہے کہ ان محتملات میں سے راجح مرجوح سے ظاہر و واضح ہو، عام کی تخصیص مذکور ہو، متضاد اقوال میں تطبیق ہو، احکام کی علتیں بیان کردی گئی ہوں ورنہ ان پر اعتماد صحیح نہیں اس پچھلے زمانہ میں

مذاہب اربعہ کے سوا کوئی بھی مذہب اس شان وصفت کے ساتھ موصوف نہیں۔

ظاہر ہے کہ جب انھیں مذاہب اربعہ کی تقلید پر امت کا اجماع ہے تو ان کی تقلید و اتباع نہ کر کے الگ مذہب کی بنیاد ڈالنا اجماعِ امت کی مخالفت کرنا ہے اور اجماع امت کی مخالفت ناجائز و حرام ہے۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

"إتبعوا السواد الأعظم فإنه من شذَّ شُذَّ فی النار"(۱)

سوادِ اعظم کی اتباع کرو کیوں کہ جو سوادِ اعظم سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

جب ان مذاہب اربعہ کے سوا کوئی دوسرا مذہب باقی نہ رہا تو ان کی اتباع سوادِ اعظم کی اتباع ہے اور ان سے اعراض و انحراف سوادِ اعظم سے اعراض و انحراف ہے، مجدد اعظم امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

"ہمارے ائمہ نے اجماع وقیاس کے ماننے کو ضروریاتِ دین سے گنا ہے اور ان کے منکر کو ضروریاتِ دین کا منکر کہا ہے اور ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہے پھر ہمارا ان کا اختلاف فروعی کیسے ہو سکتا ہے مواقف و شرح مواقف موقف اول، مرصد خامس مقصد سادس میں ہے۔"

"کون الإجماع حجة قطعية معلوم بالضرورة من الدين."(۲)

یعنی اجماع کا حجت قطعی ہونا ضروریاتِ دین سے ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

اور ائمہ کرام و علمائے اعلام حجیت اجماع کو ضروریاتِ دین سے بتاتے اور مخالف اجماعِ قطعی کو کفر ٹھہراتے ہیں:

مواقف قاضی عضد الدین و شرح مواقف علامہ سید شریف مطبوعہ استنبول جلد اول ص۱۹۵: "کون الاجماع حجة قطعية معلوم بالضرورة من الدين". اجماع کا قطعی حجت ہونا ضروریات دین سے ہے۔"(ت)

(۱) مشکاة المصابیح، ص: ۲۲، باب الاعتصام بالکتاب والسنة.

(۲) الفضل الموهبی فی معنیٰ إذا صح الحدیث فهو مذهبی، ص: ۵۰، ناشر: رضا اکیڈمی، ممبئی.

مسلم الثبوت وفواتح الرحموت جلد دوم ص۴۹۴: "الاجماع حجة قطعا و يفيد العلم الجازم عند جميع اهل القبلة، ولا يعتد بشر ذمةمن الحمقاء الخوارج والروافض لانهم حادثون بعد الاتفاق يتشككون فى ضروريات الدين". (باب الاجماع حجة قطعا) "اجماع قطعی حجت ہے اور یہ تمام اہل قبلہ کے ہاں یقینی علم کا فائدہ دیتا ہے اور خارجی اور رافضی احمقوں کے گروہ کا اعتبار نہیں کیونکہ یہ نئے فرقے ہیں جو اتفاق کے بعد پیدا ہوئے ہیں جو ضروریات دین میں تشکیک پیدا کرتے ہیں۔"(ت)

اصول امام اجل فخر الاسلام بزدوی باب حکم الاجماع: "فصار الاجماع كآية من الكتاب اوحديث متواتر فى وجوب العمل والعلم به فيكفر جاحده فى الاصل". تواجماع کتاب اللہ یا حدیث متواتر کی طرح وجوب علم وعمل ثابت کرتا ہے لہذا قاعدہ کی رو سے اس کا منکر کافر قرار دیا جائے گا۔(ت)

کشف الاسرار امام عبدالعزیز بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد چہارم ص۲۶۱: "يحكم بكفر من انكر اصل الاجماع بان قال ليس الاجماع بحجة". "جو اجماع کے اصول میں ہونے سے انکار کرے اور کہے کہ اجماع حجت نہیں ہے اس کی تکفیر کی جائے گی۔"(ت)

مسایرہ امام محقق ابن الہمام مطبوعہ مصر خاتمہ ص۹: "وبالجملة فقد ضم الى التصديق بالقلب فى تحقق الايمان امور الاخلال بالايمان اتفاقا كترك السجود للصنم وقتل نبى والاستخفاف به ومخالف ماجمع عليه وانكاره بعد العلم به". (ملتقطا)

"حاصل یہ کہ ایمان کے لئے تصدیق بالقلب کے ساتھ کچھ امور ایسے ہیں جو بالاتفاق ایمان میں خلل انداز ہوتے ہیں جن کا ترک ضروری ہے، مثلاً بت کو سجدہ، کسی نبی کا قتل اور اس کی توہین اور اجماع کی مخالفت اور اجماع کے علم پر اس کا انکار"۔(ملتقطاً)

الفصول البدائع فی اصول الشرائع علامہ شمس فناوی مطبوعہ استنبول جلد دوم ص۲۷۴: "يكفر جاحد حجية الاجماع مطلقا وهوالمذهب عند مشائخنا". "اجماع کی حجیت کا مطلقاً انکار کرنے والا کافر قرار پائیگا ہمارے مشائخ کا یہی مذہب ہے۔"(ت)

تلویح جلد دوم ص۵۱۵: "الاجماع علی مراتب فالاولی بمنزلة الآية والخبر المتواتر يكفر جاحده". "اجماع کے مراتب ہیں، پہلا مرتبہ بمنزلہ آیت کریمہ اور خبر متواتر ہے جس کا منکر کافر ہوگا۔"(ت)

کشف الاسرار شرح المنار للامام النسفی مطبوعہ مصر جلد دوم ص۱۱۱: يكفر جاحده كما يكفر جاحد ماثبت بالكتاب او المتواتر". "اجماع کا منکر کافر ہے جس طرح کتاب اللہ یا خبر متواتر سے ثابت شدہ کا منکر کافر ہے۔"(ت)

"الأشباه والنظائر"میں ہے:

"وما خالف الأئمة الأربعة مخالف للإجماع وإن كان فيه خلاف لغيرهم فقد صرح في التحرير: أن الإجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للأربعة لانضباط مذهبهم وانتشارهم وكثرة أتباعهم."[1]

"اور جو ائمہ اربعہ کے مخالف ہے اجماع کے مخالف ہے اگرچہ اس میں ان کے علاوہ کسی اور کا اختلاف ہو"تحریر" میں اس بات کی تصریح ہے کہ: اس بات پر اجماع قائم ہے کہ: ائمۂ اربعہ کے مخالف مذہب پر عمل نہ کیا جائے اس لیے کہ انھیں کے مذاہب محفوظ و منضبط اور معروف و مشہور اور ان کے ماننے والے کثیر ہیں۔"

اس سے واضح ہے کہ جو شخص اجتہاد کے مقام و مرتبہ پر فائز نہیں اس پر ائمۂ کرام کی تقلید فرضِ لازم ہے جس سے سر موانحراف کی گنجائش نہیں اس پر اجماع امت قائم ہے بلکہ بہ تصریحِ علمائے کرام ضروریاتِ دین سے ہے، امام اہل سنت مجدد دین و ملت امامِ اہلِ سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن محبی علیہ الرحمہ کی تصنیف: "الحبل القوي لهداية الغوي" کی تقریظِ جلیل و تصدیق جمیل کے تحت فرماتے ہیں:

"بلا شبہہ غیر بالغ منصب اجتہاد پر تقلید ائمہ بنص قطعی قرآن عظیم و احادیث و اجماع فرض مُتَحتَّم ہے اور اس سے عدول شریعت مطہرہ کے دائرہ سے خروج اور ورطۂ تیرہ ضلال

(۱) الأشباه والنظائر، ج:۱، ص:۳۳۳، بیروت.

ونکال میں ولوج ہے اس قدر پر تو اجماع قطعی موجود بلکہ بتصریحِ علمائے کرام وہ ضروریاتِ دین میں معدود۔ رہی تعیین متبوع جسے تقلید شخصی کہیے حق یہ ہے کہ ان ازمنہ میں اس سے اصلاً مَفَر نہیں تخیُّر تابعِ نظر اور نظر مفقود اور تخییر حسب تصریح ائمۂ دین مثل امام اجل عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اکابر صراحۃً فتح باب فسق و تباب ہے سدّ فتنہ اہم واجبات سے ہے تو تقلید شخصی کے وجوب میں اصلاً محل کلام نہیں اور نفیِ بعض نظر بنفس ذات منافی ثبوت بوجوہ خارجہ نہیں: "كما لا يخفى على أولي التحقيق وهو التطبيق و به يحصل التوفيق و بالله التوفيق و الله سبحانه و تعالىٰ أعلم."[1]

"فتاویٰ رضویہ" میں ہے:

تقلید فرض قطعی ہے۔ قال الله تعالیٰ: "فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"[2]

وقال النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "ألا سَئَلُو إذا لم يعلموا فإنما شفاء العي السوال."[3]

"کیوں نہ پوچھا جب معلوم نہ تھا کہ مرضِ جہل کی شفا سوال ہی ہے۔" (ت)

اگر ایک مذہب کی پابندی نہ کی جائے تو یا وقت واحد میں شے کو حرام بھی جانے گا اور حلال بھی۔ جیسے قراءتِ مقتدی کہ شافعیہ کے یہاں واجب اور حنفیہ کے یہاں حرام اور وقتِ واحد میں شے واحد کا حرام و حلال دونوں ہونا محال، یا یہ کرے گا کہ ایک وقت حلال سمجھے گا دوسرے وقت حرام، تو یہ اس آیت میں داخل ہونا ہوگا: "يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا"۔

"لاجرم پابندیِ مذہب لازم اور اس کی تفصیل ہمارے فتاویٰ میں ہے۔"[4]

نیز فرماتے ہیں:

"جب احکامِ الٰہیہ ہر عام و عامی پر ہیں، آزاد کوئی نہ چھوڑا گیا اور فقہ سیکھنے کو صاف فرما دیا کہ: "سب سے نہیں ہو سکتا، ہر گروہ سے بعض اشخاص سیکھیں اور اپنی قوم کو احکام بتائیں کہ وہ

(۱) الحبل القوی لهداية الغوی معروف به اثبات تقليد شرعی، ص:۱۵.

(۲) قرآن مجید، سورة الانبياء، آیت: ۲۱.

(۳) ابو داؤد شریف، ج:۱، ص:۶۵.

(۴) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۱، ص:۱۰۶.

مخالف حکم سے بچیں۔" تو صاف صاف عام لوگوں کو ان فقیہوں کی باتوں پر چلنے کا حکم ہوا اور اسی کا نام تقلید ہے جس کی فرضیت قرآن عظیم کی نص قطعی سے ثابت ہوئی۔"(۱)

اس سے صاف واضح اور روشن ہے کہ جس شخص کو اجتہاد و استخراج اور استنباط کی قوت حاصل نہیں اس پر تقلید ائمہ (مطلق تقلید) فرض ہے جس کی فرضیت قرآن عظیم کی نص قطعی اور احادیث و اجماع سے ثابت ہے۔ رہی تعیین متبوع (کسی معین امام کی تقلید) جسے تقلید شخصی کہتے ہیں جس سے اس زمانہ میں مَفَر نہیں واجب ہے وہ بھی اس قید کے ساتھ کہ چاروں مشہور اماموں میں سے کسی ایک امام کی اس لیے کہ انھیں کا مذہب محفوظ و منضبط اور بہ روایات متواترہ یا مشہورہ منقول اور مشہور کتابوں میں مدون ہے آج ان چاروں مذہبوں کے سوا کسی اور مذہب کے اختیار کرنے کی قطعًا اجازت نہیں، احکامِ شرعیہ میں ان چاروں اماموں میں سے کسی ایک معین امام کی تقلید کے واجب ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ غیر مقلدین اس کا انکار کرتے ہیں اور وہ بھی اتنی بیہودگی کے ساتھ کہ اسے بدعت اور شرک بھی کہہ دیتے ہیں جب کہ قرآن عظیم کا ارشاد ہے: "فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳"(۲)

"تو علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہ ہو۔"

علامہ سمہودی نے "عقد الفرید" میں فرمایا: "و دلیل وجوب تقلید غیر المجتهد دلیل قوله تعالیٰ: "فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"۔

"غیر مجتہد پر کسی مجتہد کی تقلید واجب ہونے کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: "تو علم والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔"

اس آیت کریمہ میں "اَهْلَ الذِّكْرِ" (اہلِ علم) سے مراد: وہ علما و فقہا ہیں جو اجتہاد و استنباط کی قوت رکھتے، احکام شرع کے فتویٰ دیتے اور لوگوں کو دین کے مطالب سکھاتے ہیں جو اپنے عموم کے اعتبار سے صحابہ و تابعین و تبع تابعین سب کو شامل ہے۔

حضرت صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

---

(۱) حاشیه اطائب الصیب، ص: ۲۰، مشموله رسائل رضویه.

(۲) قرآن مجید، سورۃ الانبیاء، آیت: ۲۱.

"مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ: معنیٰ یہ ہیں کہ: روشن دلیلوں اور کتابوں کے جاننے والوں سے پوچھو اگر تم کو دلیل و کتاب کا علم نہ ہو۔ مسئلہ: اس آیت سے تقلید کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔"(۱)

حضرت امام جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں:

"أخرج بن مردو یة عن أنس قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: إن الرجل يصلي و يصوم ويحج و يغزو وإنه لمنافق قالوا: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم بماذا دخل عليه النفاق؟ قال: لطعنه على إمامه، وإمامُهٗ مَنْ قال الله تعالیٰ في كتابه: " فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" "(۲)

ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے تخریج کیا کہ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ: آدمی نماز پڑھتا، روزہ رکھتا، حج کرتا، اور جہاد کرتا ہے اور وہ منافق ہے صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیوں کر اس میں نفاق آگیا؟ آپ نے فرمایا: اپنے امام پر طعن کرنے کے سبب اور اس کا امام وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: "تو علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔"

اس سے دین کا امام مراد ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں " اَهْلَ الذِّكْرِ " سے مراد: وہ ائمہ دین متین ہیں جن کے بتائے ہوئے طریقوں پر لوگ چلتے ہیں جیسا کہ سید المفسرین حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قرآن کریم کی آیت کریمہ:

"يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ"(۳)

"جس دن ہم ہر امام کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔"

کے تحت فرمایا:

---

(۱) قرآن مجید، پ: ۱٤، سورۃ النحل، آیت: ٤٣، و ٤٤.

(۲) تفسیر درمنثور.

(۳) قرآن مجید، پ: ۱٥، سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۷۰.

"اس سے وہ امام زماں مراد ہے: جس کی دعوت پر دنیا میں لوگ چلے۔" (۱)

حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں:

"یہاں مقتدائے دینی مراد ہے مثلاً کہا جائے گا: اے حنفیو! اے شافعیو! اے حنبلیو! اور اے مالکیو!" (۲)

امام اہل سنت مجدد دین و ملت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس آیت کریمہ کے مفہوم کی تحقیق و توضیح اور تقلید کے ثبوت و وجوب کو مدلل و مبرہن کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہر مسلمان بالبداہت جانتا ہے کہ: اللہ عزوجل کے لیے اس پر کچھ فرض ہیں، کچھ حرام، کچھ حدیں ہیں، کچھ احکام اور ان میں جو جاہل ہے وہ اپنے وجدان سے جانتا ہے کہ: جاہل ہے اور یہ کہ جب تک اسے بتایا نہ جائے خود جان لینے سے عاجز ہے اور خوب جانتا ہے کہ: بے عمل کے چھٹکارا نہیں اور بے علم، عمل کا یارا نہیں اور بے سیکھے علم نہ آئے گا تو بداہۃً اس کے ذہن میں خود آجائے گا کہ اس پر ایسے سے پوچھنا لازم ہے جو مسئلہ بتا کر ہدایت فرمائے اور بے شک یہ زمانہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر آج تک برابر فرضیت نماز و دیگر فرائض کی طرح متواتر ہے بلکہ وہ ہر انسان کی جبلی بات ہے، خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر لہٰذا ہر گروہ کے عوام کو دیکھیے گا کہ اپنے یہاں کے علم و دانش کے پاس آتے اور جنھیں اپنا طبیب سمجھتے ان سے مرضِ جہل کی دوا پوچھتے ہیں اس لیے کہ وہ یقیناً اپنے دل سے جان رہے ہیں کہ: ہم اسی طور پر اپنے فرض سے ادا ہوں گے اور بلا شبہہ یہ تقلید ہی سے ہے نہ کہ اجتہاد سے۔" (۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد پاک ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" (۴)

"اے ایمان والو! اللہ کی فرماں برداری کرو اور رسول اور اپنے صاحبان حکم کا کہا مانو۔"

---

(۱) تفسیر خزائن العرفان.

(۲) تفسیر روح البیان.

(۳) اطائب الصیب، ص: ۲۱، ۲۲، مع تغیر یسیر.

(۴) قرآن مجید سورۃ النساء، آیت: ۵۹.

یعنی اللہ عزوجل اور اس کے رسول اعظم ﷺ کا حکم مانو اور اللہ و رسول کے حکم سے ائمۂ دینِ متین کا حکم مانو کہ ان کی اتباع عین اتباعِ رسول اللہ ﷺ ہے اس آیتِ کریمہ کے تحت تفسیر بیضاوی میں ہے:

"یریدبهم أمراء المسلمين في عهد الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و بعده و يندرج فيهم الخلفاء والقضاة وأمراء السرية أمِرَ الناسُ بطاعتهم بعد ما أمرهم بالعدل تنبيهًا على أن وجوبَ طاعتهم لازم ماداموا على الحق وقيل: علماء الشرع لقوله تعالىٰ: "وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ" (۱)

"یعنی اللہ عزوجل اور رسولِ پاک ﷺ کے بعد جو "اُولِی الْاَمْرِ" (صاحبان حکم) کی اطاعت کا حکم ہے اس سے حضور اقدس ﷺ کے زمانہ کے اور بعد کے امرائے مسلمین مراد ہیں اور اس میں خلیفہ، قاضی اور تھوڑے لشکر کے سردار بھی داخل ہیں کہ لوگوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا جب تک وہ انھیں عدل و انصاف کا حکم دیں تاکہ وہ اس امر سے خبردار ہو جائیں کہ ان کی اطاعت صرف اسی وقت تک لازم ہے جب تک کہ وہ حق پر قائم رہیں اور بعض علما نے فرمایا کہ: "اُولِی الْاَمْرِ" سے علمائے شرع مراد ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم رسول اور اولی الامر کی طرف فیصلہ لے جاؤ تو اولی الامر میں جو لوگ مسائل کا استنباط کر لیتے ہیں ضرور اسے جان لیں گے۔"

تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت ہے: "ثالثها: المراد العلماء الذين يفتون في أحكام الشريعة و يعلّمون الناس دينهم وهذا رواية الثعلبي عن ابن عباس وقول الحسن ومجاهد والضحاك" (۲)

"تیسرا مطلب: یہ ہے کہ "اُولِی الْاَمْرِ" سے وہ علما مراد ہیں جو احکامِ شریعت کے فتاویٰ دیتے اور لوگوں کو ان کا دین سکھاتے ہیں۔ ثعلبی کی یہ روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے

(۱) تفسير بيضاوي، ج:۲، ص:۲۰۵، ۲۰۶، دار الفكر، بيروت.
(۲) تفسير كبير، ج:۳، ص:۳۵۷.

اور یہی حسن بصری، مجاہد و ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔"

تفسیر "معالم التنزیل" میں ہے:

"اختلفوا في (أُولِي الْاَمْرِ) قال ابن عباس و جابر رضي الله تعالیٰ عنهم: هم الفقهاء والعلماء الذين يعلمون الناس معالم دينهم، وهو قول الحسن والضحاك ومجاهد."(۱)

" أُولِي الْاَمْرِ" کے بارے میں اختلاف ہے ابن عباس و جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ: وہ فقہاو علما ہیں جو لوگوں کو دین کے مطالب سکھاتے ہیں اور یہی حسن بصری و ضحاک و مجاہد کا قول ہے۔"

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

"قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس: " أُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" يعني أهل الفقه والدين وكذا قال مجاهد وعطاء والحسن البصري وأبو العالية: "أُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" يعني العلماء والظاهر والله تعالیٰ أعلم أنها عامة في كل "أولي الأمر من الأمراء والعلماء كما تقدم"(۲)

علی بن ابی طلحہ نے فرمایا کہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ " أُولِي الْاَمْرِ" سے فقہاو ائمۂ دین مراد ہیں، مجاہد، عطا اور حسن بصری کا یہی قول ہے اور ابو العالیہ نے فرمایا کہ: علما مراد ہیں، اور ظاہر واللہ تعالیٰ اعلم یہ ہے کہ: یہ کلمہ تمام امرا و علما کو عام ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا۔

"الحديقة الندية" میں ہے:

"قال ابن عباس في رواية الوالي: هم الفقهاء والعلماء أهل الدين يعلمون الناس معالم دينهم أوجب الله تعالیٰ طاعتهم (كذا) قال جابر وهو قول الحسن والضحاك و مجاهد، وقال الزجاج: وجملة أولي الأمر من يقوم بشان المسلمين في أمر دينهم وجميع ما أدى إليه صلاحُهُمْ، وقال شيخی زاده في حاشية على البيضاوي عند قوله تعالیٰ: "وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ

(۱) تفسیر معالم التنزیل، زیر آیت: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ" الآية، ص: ۳۱۲ دار ابن حزم.

(۲) تفسیر ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۵۱۸.

كُلِّهَا "المراد من أولى الأمر: العلماء في أصح الأقوال لأنّ الملوك يجب عليهم طاعة العلماء ولا ينعكس."[1]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: والی کی روایت میں "أُولِي الْأَمْرِ" سے دین دار علما اور فقہا مراد ہیں جو لوگوں کو ان کے دین کی باتیں بتاتے ہیں جن کی اطاعت و اتباع اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی فرمایا اور وہ حسن، ضحاک اور مجاہد کا قول ہے۔ اور زجاج نے کہا کہ: "اولی الامر" وہ لوگ ہیں: جو مسلمانوں کے دینی امور اور ان تمام چیزوں کو انجام دیں جن سے ان کے منافع و مصالح متعلق ہیں۔ اور شیخ زادہ نے "بیضاوی" کے حاشیہ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "اور آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیے۔" کے تحت فرمایا: اصح قول کے مطابق "أُولِي الْأَمْرِ" سے مراد علما ہیں، اس لیے کہ بادشاہوں پر علما کی اطاعت واجب ہے نہ کہ اس کے برعکس۔"

حضرت تمیم داری سے مروی ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الدين النصيحة قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم."[2]

"دین سراسر خیر خواہی ہے ہم نے عرض کیا: کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے امام اور عام مسلمانوں کے لیے۔"

محرر مذہب شافعی حضرت علامہ نووی علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح کے تحت رقم طراز ہیں:

"قال الخطابي: وقد يتناول ذالك على الأئمة الذين هم علماء الدين وإن من نصيحتهم."

امام خطابی نے کہا کہ: یہ حدیث پاک ان ائمۂ کرام کو بھی شامل ہے جو علمائے دین ہیں اور ان کی خیر خواہی۔

صاحب "تيسر القاري لأئمة المسلمين" کی شرح میں فرماتے ہیں:

---

(۱) حديقة نديه، ج:۱، ص:۸۲، ۸۳، مطبوعه پاكستان.

(۲) مسلم شريف، ج:۱، ص:۵۴، باب بيان أن الدين النصيحة.

”وہ نیک اندیشی علما وائمۂ اجتہاد بتحسین ظن وترویج علوم ایشاں وتعظیم وتوقیر شاں۔“[1]

”یعنی ائمۂ مسلمین کی خیر خواہی سے علما و ائمۂ مجتہدین کی خیر خواہی مراد ہے وہ اس طرح سے کہ ان کے ساتھ حسن ظن قائم رکھا جائے اور ان کے علوم کو فروغ بخشا جائے اور ان کی تعظیم و توقیر کی جائے۔“

اور شیخ الاسلام کتاب ص:۱۲۰ر میں ”ائمۂ مسلمین“ کی شرح میں فرماتے ہیں:

”و پیشوایانِ دین راچوں ائمۂ مجتہدین و علما بحسن ظن و تقلید در احکام و تعظیم و تکریم ایشاں بر وجہِ تمام و حمل مقالات ایشاں بر محامل صحیح و نشر علوم و مناقب ایشاں با تحقیق و تنقیح۔“

”یعنی ائمۂ مسلمین کی خیر خواہی سے دین کے مقتدا اور پیشوا حضرات مثلاً ائمۂ مجتہدین و علما کی خیر خواہی مراد ہے ان حضرات کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھا گمان رکھا جائے، شریعت کے احکام میں ان کی تقلید و اتباع اور اطاعت و پیروی کی جائے، ہر طرح ان کی تعظیم و تکریم کی جائے اور ان کے ارشادات و فرمودات کو صحیح محمل پر محمول کیا جائے اور ان کے علوم و فضائل کی ترویج و اشاعت تحقیق و تنقیح کے ساتھ کی جائے۔

اور مترجم ”مشارق الأنوار“ لکھتے ہیں:

”مسلمین کے حاکموں کے یعنی اماموں کی خیر خواہی یہ ہے کہ: شرع کے موافق ان کی اطاعت کرے وران کی مخالفت سے بچے۔“

”شرح مسلم للنووي“ میں ہے:

”قبول ماروو ہ و تقلیدهم في الأحكام وإحسان الظن لهم.“[2]

”خیر خواہی یہ ہے کہ: ان کی روایت کردہ حدیثوں کو قبول کیا جائے، احکام میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے۔“

ان آیات و آثار سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو علما سے پوچھ کر اس پر عمل کرنا واجب ہے اور علما سے پوچھ کر اس پر عمل کرنا تقلید ہے۔

---

(۱) تیسیر القاری شرح بخاری، ج:۱، ص:۳۹.

(۲) شرح مسلم للنووی، ج:۱، ص:۵٤.

علامہ سمہودی نے "عقد الفرید" میں تقلید کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

"التقليد: قبول القول بأن يعتقد من غير معرفة دليله فأما مع معرفة دليله فلا يكون إلا لمجتهد لتوقف معرفة الدليل على معرفة سلامته عن التعارض بناء على وجوب البحث عن التعارض و معرفةُ السلامة عنه متوقف على استقراء الأدلة كلها و لا يقدر على ذالك إلا المجتهد ومن لم يوجب البحث عن المعارض والنفي بمجرد معرفة الدليل كمن أجاز التمسك بالعام قبل البحث عن المخصص فلم يكتف بمعرفته من غير مجتهد إذ لا وثوق بمعرفة غيره في الأدلة الظنية ويجب التقليد على من لم يبلغ رتبة الاجتهاد المطلق عاميا محضا أو غيره. انتهى بقدر الحاجة."

"**تقلید** یہ ہے کہ: دوسرے کا قول اس کی دلیل جانے بغیر مان لیا جائے۔ دلیل جان کر ماننا یہ مجتہد کا کام ہے اس لیے کہ دلیل کا جاننا یہ جاننے پر موقوف ہے کہ: وہ دلیل معارض سے سالم و محفوظ ہے کیوں کہ معارض کی تلاش ضروری ہے اور معارض سے سلامتی کا علم اس پر موقوف ہے کہ: تمام دلیلوں کی چھان بین اور پوری تحقیق و تفتیش ہو یہ قدرت صرف مجتہد کو حاصل ہوتی ہے اور جو لوگ معارض کی تلاش کو واجب نہیں کہتے اور صرف دلیل کا جاننا کافی سمجھتے ہیں جیسے وہ لوگ جو مخصص کی تلاش سے قبل، عام سے استدلال کو جائز کہتے ہیں وہ بھی غیر مجتہد سے دلیل جاننے کو کافی نہیں مانتے، اس لیے کہ ظنی دلیلوں میں غیر مجتہد کے علم پر کوئی اعتماد نہیں اور جو مرتبۂ اجتہاد کو نہ پہنچا اس پر تقلید ضروری ہے خواہ وہ محض عامی ہو یا غیر عامی یعنی عالم، محدث۔"

نیز یہ معلوم ہوا کہ وہ احکام کتاب و سنت سے صراحۃً ثابت نہ ہوں ائمۂ مجتہدین نے کتاب و سنت کے نصوص سے بذریعۂ اجتہاد و استنباط نکالا ہو مثلاً چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت، ہاتھوں کی کہنیوں اور پاؤں کے ٹخنوں کو دھونا ان میں ان کی تقلید واجب ہے اور مجتہد فیہ مسائل میں مجتہد کا حکم بعینہٖ شارع کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "العقد الجید" میں فرماتے ہیں:

"وإذا تحقق عندك مابيناه علمت أن كل حكم يتكلم فيه المجتهد

بإجتهاده منسوب إلى صاحب الشرع عليه الصلاة و السلام.“ (۱)

”جب ہمارے بیان کی تحقیق تمھیں ہوگئی تو تمھیں معلوم ہوگیا کہ: جس حکم کو مجتہد اپنے اجتہاد سے بیان کرتا ہے وہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہوتا ہے۔“

اب جب کہ مجتہد کا حکم شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف منسوب ہے جس کی طرف مقلد کا رجوع اور اس پر عمل اللہ عزوجل کے حکم سے ہے تو یہ در حقیقت شرعاً تقلید نہیں بلکہ کتاب و سنت کی اتباع اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول اعظم ﷺ کی اطاعت ہے جسے عرف میں مجازاً تقلید کہا جاتا ہے۔

امام اہلِ سنت، مجدد دین وملت، سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

”وإذا عرفت أن التقليد الحقيقي يعتمد انتفاء الحجة رأسًا (فالرجوع إلى النبي ﷺ أو إلى الإجماع) وإن لم نعرف دليل ماقاله ﷺ أوقاله أهل الإجماع تفصيلا (ليس منه) أي من التقليد الحقيقي لوجود الحجة الشرعية ولو إجمالا (وكذا) رجوع (العامي) هو من ليس مجتهدا (إلى المفتي) وهو المجتهد (و) رجوع (القاضي إلى) الشهود (العدول) و أخذهما بقولهم ليس من التقليد في شيء لانفس الرجوع ولا العمل بعده (لإيجاب النص) ذالك الرجوع والعمل (عليها) فيكون عملا بحجة ولو إجمالية كما عرفت هذا هو حقيقة التقليد.

لكن العرف مضى (على أن العامي مقلد للمجتهد) فجعل عمله بقوله من دون معرفة دليله التفصيلي تقليد اله وإن كان إنما يرجع إليه لأنه مامور شرعاً بالرجوع إليه والأخذ بقوله فكان عن حجة لا بغيرها وهذا اصطلاح خاص بهذه الصورة فالعمل بقول النبي ﷺ وبقول أهل الإجماع لا يسميه العرف أيضا تقليدا.“ (۲)

---

(۱) عقد الجيد، ص:٦٦، المكتبة الحقيقة، تركى.

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۳۸، رسالہ أجلى الاعلام.

''اور جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ تقلید حقیقی کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ مقلد کے پاس سرے سے کوئی دلیل نہ ہو تو نبی پاک ﷺ اور اہل اجماع کی طرف رجوع تقلید حقیقی نہیں کیوں کہ یہاں حجت شرعیہ (رسول پاک ﷺ کا قول اور اہل اجماع کا قول) اجمالی طور پر موجود ہے، اگرچہ ہمیں رسول ﷺ کے قول اور اہل اجماع کے قول کی جزئی دلیل معلوم نہیں۔

اور اسی طرح عامی (غیر مجتہد) کا مفتی (مجتہد) کی طرف اور قاضیِ شرع کا عادل گواہوں کی طرف اور ان کا مفتی و گواہوں کے قول پر عمل تقلید نہیں نہ تو ان کا رجوع تقلید ہے اور نہ رجوع کے بعد عمل اس لیے کہ نص شارع نے یہ رجوع اور رجوع کے بعد عمل ان پر واجب فرمایا ہے تو یہ دلیل شرعی پر عمل ہوا اگرچہ یہ دلیل تفصیلی نہیں اجمالی ہے یہی تقلید کی حقیقت ہے۔

لیکن عرف اس پر جاری ہے کہ: عامی مجتہد کا مقلد ہے تو مجتہد کے قول پر اس کے قول کی تفصیلی دلیل کی معرفت کے بغیر عامی کے عمل کو مجتہد کی تقلید قرار دیا گیا، اگرچہ مجتہد کی طرف عامی اس لیے رجوع کرتا ہے کہ اسے شریعت نے مجتہد کی طرف رجوع اور اس کے قول پر عمل کا حکم دیا ہے تو عامی کا یہ عمل و رجوع دلیل کی بنا پر ہے بغیر دلیل نہیں ورنہ اصطلاح اسی صورت کے ساتھ خاص ہے تو نبی پاک ﷺ کے ارشاد اور اہل اجماع کے قول پر عمل کو عرفاً تقلید نہیں کہا جاتا۔''

اس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ مقلد کو اگرچہ تفصیلی (جزئی) دلیل معلوم نہیں مگر اسے اجمالی (کلی) دلیل معلوم ہوتی ہے جس کی بنیاد پر وہ اپنے امام مجتہد کی تقلید کرتا ہے جسے تفصیلی دلیل کا علم ہوتا ہے اب جب کہ مقلد کتاب و سنت کی اجمالی دلیلوں کی روشنی میں اپنے امام مجتہد کی تقلید کرتا ہے تو یہ محض عرفاً تقلید ہے حقیقۃً تقلید نہیں کہ حقیقت تقلید یہ ہے کہ: ''مقلد کے پاس کسی بھی طرح کی کوئی دلیل نہ ہو نہ اجمالی نہ تفصیلی'' اور یہاں مقلد کو اگرچہ تفصیلی دلیل معلوم نہیں مگر اسے اجمالی دلیل معلوم ہے کہ اسے اجمالاً یہ معلوم ہے کہ: اللہ عزوجل نے اولی الامر (مجتہدین) کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے جب یہ حقیقۃً تقلید نہیں بلکہ عرفاً تقلید ہے تو در حقیقت یہ اللہ عزوجل اور اس کے رسولِ پاک ﷺ کی اطاعت و اتباع ہے جب یہ در حقیقت اللہ عزوجل اور اس کے رسولِ پاک ﷺ کے ارشادات عالیہ و فرمودات مقدسہ کی اطاعت و اتباع ہے تو اسے حرام یا شرک کہنا کسی بھی

طرح روا نہیں اس لیے کہ قرآنِ کریم کی آیت کریمہ:

"وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَیۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَہۡتَدُوۡنَ"(۱)

"اور جب ان (کافروں) سے کہا جائے اللہ کے اتارے پر چلو تو کہیں بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا، کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت۔"

"وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ اِلَی الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾"(۲)

"اور جب ان سے کہا جائے آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف، کہیں وہ ہمیں بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانیں اور نہ راہ پر ہوں۔"

میں جس تقلید کی مذمت فرمائی گئی وہ تقلید ہے جس میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت و اتباع نہ کر کے اپنے بزرگوں کی اتباع کی جائے جو عقل و دین و ہدایت سے کوسوں دور ہیں اور اتنا بھی شعور نہیں رکھتے کہ جو چیز اللہ اور اس کے رسول نے حرام نہ کی اس کو کوئی حرام نہیں کر سکتا۔ زیرِ بحث تقلید اور آیت شریفہ میں مذکور تقلید میں کوئی مناسبت نہیں، اس لیے کہ کوئی مقلد قرآن و حدیث کو رد نہیں کرتا اور جس امام مجتہد کی تقلید کرتا ہے وہ علم و عقل اور دین و ہدایت سے خالی نہیں۔ اب جب کہ آیت شریفہ میں مذکور تقلید کی مذمت جن بنیادوں پر کی گئی وہ بنیادیں زیرِ بحث تقلید میں موجود نہیں تو اس تقلید محمود کے رد و انکار میں اس آیت کریمہ کو پیش کرنا سراسر ظلم و ناانصافی ہے۔ اگر علم و فضل، تقویٰ و پرہیز گاری، خدا ترسی، امت کے ساتھ خیر خواہی اور استقامتِ حق کے حاملین علمائے مجتہدین کی تقلید مذموم ہوتی تو "اہلِ ذکر" کی طرف رجوع پھر ان کے حکم پر عمل کا تاکیدی حکم وارد نہ ہوتا نہ ہی "اولی الامر" کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا جاتا اور نہ ہی یہ فرمایا جاتا کہ: "ہر

(۱) قرآن مجید، پ:۲، سورۃ البقرہ، آیت: ۱۷۰.

(۲) قرآن مجید، پ:۷، سورۃ المائدۃ، آیت: ۱۰۴.

گروہ میں سے ایک جماعت نکل کر دین کی سمجھ کر حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ (احکام دین کی اتباع کر کے عذابِ الٰہی سے) بچیں" اور نہ ہی یہ فرمایا جاتا:

"فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا"[1] تو دین ابراہیم حنیف کی پیروی کرو۔

"وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ"[2]

"اور ابراہیم کے دین سے کون منھ پھیرے سوا اس کے جو دل کا احمق ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں جس تقلید کا حکم دیا گیا اور اس کی تاکید فرمائی گئی وہ اور ہے اور جس تقلید کو مذموم قرار دیا گیا اور اس کی سخت مذمت فرمائی گئی وہ اور ہے دونوں کا محمل الگ الگ ہے دونوں کا محمل ایک سمجھنا سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔

اس مقام پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان بحثوں سے ائمۂ مجتہدین کی تقلید و اتباع کا ثبوت ہوتا ہے نہ یہ کہ صرف ائمۂ اربعہ ہی کی تقلید کی جائے کسی اور کی نہیں تو اس کا جواب گزشتہ سطور میں تفصیل سے گزر چکا کہ: ائمۂ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور کا مذہب اتنی جامعیت اور احتیاط کے ساتھ آج موجود نہیں اس لیے اس زمانہ میں یہی واجب ہے کہ ائمۂ اربعہ ہی میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے کسی اور کی نہیں کسی ایک معین امام کی تقلید اس لیے ضروری قرار دی گئی کہ اگر بعض مسائل میں ایک کی بعض میں دوسرے کی تقلید کی جائے تو عظیم حرج لازم آئے گا، اس لیے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ: جو جس امام کا مقلد ہو جملہ امور میں اس کی تقلید کرے بعض مسائل میں ایک کی اور بعض مسائل میں دوسرے کی یہ ناجائز اور گناہ ہے کہ یہ صورت تلفیق ہے جو بالاجماع باطل ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"فلو التزم أحد مذهبا كأبي حنيفة أو الشافعي رحمهما الله تعالىٰ لزم عليه الإستمرار فلا يقلد غيره في مسئلة من المسائل" شرح عين العلم.[3]

(۱) قرآن مجید، پ:٤، سورۃ آلِ عمران، آیت:٩٥.

(۲) قرآن مجید، پ:١، سورۃ البقرہ، آیت:١٣٠.

(۳) انتصار الحق، ص:٢٣٧.

”اگر کسی نے ایک مذہب کو لازم کر لیا، امام ابو حنیفہ یا امام شافعی رحمہا اللہ تعالیٰ کا تو اس پر لازم ہے کہ ہمیشہ اسی مذہب پر رہے اور کسی بھی مسئلہ میں کسی دوسرے مجتہد کی (بے ضرورت صادقہ) تقلید نہ کرے۔“

علاوہ ازیں بعض مسائل میں ایک امام کی تقلید اور بعض مسائل میں دوسرے امام کی تقلید یہ در حقیقت امام کی تقلید نہیں بلکہ اپنے خواہش نفس کی تقلید ہے اس لیے کہ کچھ مسائل میں ایک امام کی تقلید اور کچھ مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کس بنیاد پر ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ مجتہد ہے نہیں کہ دلائل کی حیثیت سے کسی ایک کو ترجیح دے تو لا محالہ یہ کہنا پڑے گا کہ بعض مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد پسند آیا تو اسے اختیار کیا تو یہ امام کی پیروی نہ ہوئی بلکہ خواہش نفس کی پیروی ہوئی۔ حقیقی تقلید یہ ہے کہ: جملہ احکام میں کسی ایک امام کی تقلید کی جائے اب جب کہ اپنے پسند پر عمل کیا تو اپنے نفس کی اتباع کی، شریعت کی نہیں تو وہ اس آیت کریمہ کا مصداق ہوا:

”اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَہۡوَی الۡاَنۡفُسُ“(۱)

”اور یہ لوگ تو نرے گمان اور نفس کی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔“

علاوہ ازیں کبھی ایک طریقہ اختیار کرنا اور کبھی اس کے برعکس دوسرا یہ نص قرآنی سے حرام ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

”وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ“(۲)

”چند راستوں پر نہ چلو ورنہ اس کے راستے سے ہٹ جاؤ گے۔“

اس آیت کریمہ میں ایک راستہ کو اختیار کرنے اور اسی کی اتباع کا حکم دیا گیا اور چند راستوں کی اتباع سے روکا گیا جس سے معلوم ہوا کہ چند راستوں کو اختیار کرنا بہ نص قرآنی حرام ہے۔

نیز ایک مذہب کے التزام کے بعد دوسرے مذہب کی طرف رجوع سے نقضِ عہد لازم آئے گا، اور اللہ عزوجل کا ارشاد پاک ہے:

---

(۱) قرآن مجید، پ:۲۷، سورۃ النجم، آیت:۳۳.

(۲) قرآن مجید، پ:۸، سورۃ الأنعام، آیت:۱۵۴، ع:۴.

"وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا" (بنی اسرائیل: ۳۴)

"وعدہ وفا کرو بے شک وعدے کے بارے میں سوال ہو گا۔"

نیز گزر چکا کہ ایک مذہب کی تقلید میں بڑی مصلحتیں ہیں اور مذہب معین کی تقلید نہ کرنے میں بڑے فسادات ہیں اور قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

"وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا"(۱)

"اور زمین میں اصلاح ہو جانے کے بعد فساد مت کرو۔"

نیز فرمایا: "لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ"(۲)

"قارون سے اس کی قوم نے کہا اور زمین میں فساد کی خواہش نہ کر کیوں کہ اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ایک مذہب کی تقلید میں خدا کی دوستی اور مذہب معین کی تقلید نہ کرنے میں خدائے پاک کی عداوت و دشمنی ہے۔

ان دلائل کے پیش نظر آج یہ واجب ہے کہ جو حنفی ہے وہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور جو شافعی ہے وہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور جو مالکی ہے وہ سیدنا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی اور جو حنبلی ہے وہ سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جملہ فقہی مسائل میں تقلید کرے۔ امت کے کسی فرد کو ان کے علاوہ کسی مجتہد کی تقلید جائز نہیں اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ کچھ مسائل میں ایک کی تقلید اور کچھ مسائل میں دوسرے کی تقلید کرے کہ تلفیق ہے جو بالاجماع باطل اور حرام و گناہ ہے کہ یہ شریعت کی اتباع نہیں خواہش نفس کی اتباع ہے۔

عمل بالحدیث کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ: چاروں مذاہب حق ہیں اور سب دین متین کی شاخیں تو ایک ہی کی تقلید سے گویا دین کے چار حصوں میں سے ایک حصہ پر عمل ہوا بخلاف اس کے کہ کبھی کبھی ہر مذہب پر چلے کہ یوں سارے دین پر عمل ہو جائے گا حاصل یہ کہ چاروں اماموں کے مسائل لینے میں کل دین محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بخوبی عمل ہو سکتا ہے یہ

(۱) قرآن مجید، سورۃ الاعراف، آیت: ۵۶.

(۲) قرآن مجید، پ: ۲۸، سورۃ القصص، آیت: ۷۷.

سراسر دھوکا اور فریب ہے۔ امام اہل سنت، مجدد دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس فریب کو کشا کرتے ہوئے اور سارے دین پر عمل کی حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"أقول: اولاً: یہ مدہوش کا جنونی خیال ہے، جسے دربار شاہی تک چار سیدھے راستے معلوم ہوئے رعایا کو دیکھا کہ اُن کا ہر گروہ ایک راہ پر ہولیا اور اسی پر چلا جاتا ہے مگر ان حضرت نے اسے بے جا حرکت سمجھا کہ جب چاروں راستے یکساں ہیں تو وجہ کیا کہ ایک ہی کو اختیار کر لیجیے پکارتا رہا کہ صاحبو! ہر شخص چاروں راہ پر چلے مگر کسی نے نہ سنی ناچار آپ ہی تانا تننا شروع کیا کوس بھر شرقی راستہ چلا پھر اسے چھوڑا، جنوبی کو دوڑا پھر اس سے بھی منھ موڑا غربی کو پکڑا پھر اس سے بھاگ کر شمالی پر ہولیا ادھر سے پلٹ کر پھر شرقی پر آرہا تیلی کے سے بیل کو گھر ہی کوس پچاس۔ عقلاً پوچھ دیکھو اس کو مجنون کہیں گے یا صحیح الحواس؟ یہ مثال میری ایجاد نہیں بلکہ علمائے کرام و اولیائے عظام کا ارشاد ہے اور ان سے امام علام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ الربانی نے "میزان الشریعة الکبریٰ" میں نقل فرمائی اور اس کے مشابہ دوسری مثال انگلیوں کے پوروں کو اپنے شیخ حضرت سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی۔ یہ امام ہمام وہ ہیں جن کی اسی کتاب مستطاب سے اسی مسئلۂ تقلید میں غیر مقلدان زمانہ کے معلم جدید میاں "نذیر حسین" دہلوی براہِ اغوا سند لائے اور اسی کتاب میں ان کی ہزار در ہزار قاہر تصریحوں سے کہ جہالاتِ طائفہ کا پورا علاج تھیں آنکھ بند کر گئے مگر کیا جائے شکایت کہ: "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ" اس نئے طائفہ کی پرانی خصلت جسے اس کی سیر دیکھنی منظور ہو بعض احباب فقیر کا رسالہ "سیف المصطفیٰ علی أدیان الإفترا" مطالعہ کرلے۔

ثانیاً: کل دین متین پر ایسے عمل کا صحابہ و تابعین و سائر ائمہ مجتہدان دین کو بھی حکم تھا یا خدا و رسول نے خاص آپ ہی کے واسطے رکھا؟ بر تقدیر اول ثبوت دو کہ وہ حضرات ہر گز اپنے مذہب پر قائم نہ رہتے بلکہ نماز و روزہ و تمام اعمال و احکام میں آج اپنے اجتہاد پر چلتے تو کل دوسرے۔ پرسوں تیسرے کے۔ بر تقدیر ثانی یہ اچھی دولت دین ہے جس سے تمام سرداران امت و پیشوایانِ ملت باز رہ کر محروم ہوگئے کیا اُن کے وقت میں یہ اختلاف مذاہب نہ تھا یا انھیں نہ معلوم تھا کہ ہم ناحق کل دین متین پر عمل چھوڑے بیٹھے ہیں۔

ثالثاً: اُف رے مغالطہ کل دین متین پر یک لخت عمل چھوڑنے کا نام سارے دین پر عمل کرنا رکھا۔ ع برعکس نہند نام زنگی کافور

بھلا مسائل اختلافیہ میں سب اقوال پر ایک وقت میں عمل تو محال عقلی، ہاں یوں ہو کہ مثلاً آج امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی کل نہ پڑھی مگر یہ کل دین متین کے خلاف ہوا۔ کیا امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقتدی کو قراءت بعض اوقات میں ناجائز تھی؟ حاشا بلکہ ہمیشہ امام شافعی کی رائے میں ماموم (مقتدی) پر فاتحہ احیاناً واجب تھی؟ حاشا بلکہ دواماً تو جو نہ دائماً تارک نہ دائماً عامل وہ قطعاً دونوں قول کا مخالف و نافی پُر ظاہر کہ ایجاب و سلب فعلی، سلب و ایجاب دوامی دونوں کا دفع و منافی اب تو کھلا کہ تم رفض و خروج دونوں کے جامع کہ چاروں میں سے کسی کے معتقد نہ کسی کے تابع۔

رابعاً: جو امر ایک مذہب میں واجب دوسرے میں حرام مثلاً قراءتِ مقتدی تو عامل بالمذھبین في وقتین کو کیا حکم دیتے ہو؟ آیا اسے ہمیشہ [۱] اپنے حق میں حرام سمجھے یا ہمیشہ [۲] واجب یا وقت [۳] عمل واجب، وقت ترک حرام [۴] یا بالعکس یا جس [۵] وقت جو چاہے سمجھے [۶] یا کبھی کچھ نہ سمجھے یعنی واجب غیر واجب، حرام غیر حرام کچھ تصور نہ کرے یا مذاہبِ ائمہ یعنی واجب و حرام دونوں کے خلاف محض مباح جانے؟

شقین اولیں (پہلی دو شقوں) پر ٹھہرتا ہے کہ: حرام جان کر ارتکاب کیا یا واجب مان کر اجتناب۔

اور شق رابع پر دونوں پہ صریح اجازت قصد فسق و تعمُّد معصیت ہے۔

اور شق ثالث مثل رابع کھلم کھلا "یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا"[۱] میں داخل ہونا کہ ایک ہی چیز کو آج واجب جان لیا کل حرام مان لیا پرسوں پھر واجب ٹھہرالیا، دین نہ ہوا کھیل ہوا یا کفار سوفسطائیہ عندیہ کا میل کہ جس چیز کو ہم جو اعتقاد کرلیں وہ نفس الامر میں ویسی ہی ہو جائے۔

شق خامس پر یہ دونوں استحالے قائم کہ جب اجازتِ مطلقہ ہے تو "عَامًا شَهْرًا" در

---

(۱) التوبة، پ،۱۰، آیت ۳۰

کنار "یحلّو نه اَنًا و یحرِّمُو نه اَنًا" لازم، اور نیز وقت عمل اعتقاد حرمت وقتِ ترک اعتقاد وجوب کی اجازت۔

رہی شق سادس وہ خود معقول نہیں بلکہ صریح قول بالمتناقَضین کہ آدمی جب عمل بالمذہبین جائز جانے گا قطعاً فعل و ترک روا مانے گا اس کا حکم اور اس سے منع بے ہودہ ہے مع ہذا یہ شق بھی استحالۂ اولیٰ کے حصہ سے سلامت نہیں، اچھا حکم دیتے ہو کہ آدمی نماز میں ایک فعل کرے، مگر خبر دار یہ نہ سمجھے کہ خدا نے میرے لیے جائز کیا ہے لاجرم شق ہفتم رہے گی اور گُل وہی کھلے گا کہ کل دین متین کا خلاف یعنی محصّل جواز فعل و ترک نکلا اور وہ وجوب و حرمت دونوں کے منافی۔

بالجملہ حضرات براہِ فریب ناحق چاروں مذہب کو حق جاننے کا ادعا کرتے اور اس دھوکے سے عوام بے چاروں کو بے قیدی کی طرف بلاتے ہیں ہاں یوں کہیں کہ: ائمۂ اہل سنت کے سب مذہبوں میں کچھ کچھ باتیں خلافِ دین محمدی ﷺ ہیں لہٰذا ان میں تنہا ایک پر عمل ناجائز و حرام بلکہ شرک ہے۔ لاجرم ہر ایک کے دینی مسئلے چن لیے جائیں اور بے دینی کے چھوڑ دیے جائیں۔ صاحبو! یہ تمھارا خاص دلی عقیدہ ہے جسے تمھارے عمائدِ طائفہ لکھ بھی چکے پھر ڈر کس کا ہے؟ یہ بلاد مدینہ طیبہ و بلد حرام نہیں، حجاز و مصر و روم و شام نہیں، زیر سلطنت سنت و اسلام نہیں کھل کر کہو کہ: چاروں اماموں کے مذہب معاذ اللہ بے دینی ہیں آخر دین و خلاف دین کا مجموعہ ہرگز دین نہ ہوگا بلکہ یقیناً بے دینی والعیاذ باللہ رب العالمین۔ (۱)

مزید فرماتے ہیں:

"میاں نذیر حسین دہلوی اپنے فتویٰ مصدقہ مہری دستخطی میں (کہ ان کے زعم میں ردِّ تقلید تھا اور "مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ" اثباتِ تقلید) مع اخوان وذریات اہل خواتیم فرما چکے ہیں کہ:

"جیسے ائمۂ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہو سکتا ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت نہیں ٹھہر سکتا جو ایسا کہے وہ خبیث خود بدعتی اَحبار و رہبان پرست ہے۔"

بہت اچھا "چشمِ ما روشن دلِ ماشاداب" یہ بھی حضرت سے دیکھ پوچھیے کہ ائمۂ اربعہ

---

(۱) الفضل الموهبی، ص: ۳۷ تا ۴۰، ناشر رضا اکیڈمی، ممبئی.

کے سوا کون کون مجتہد ہیں اسی فتویٰ میں تصریح کی کہ:

"امام الحرمین و حجۃ الاسلام غزالی و کیا ہراسی و ابن سمعانی و غیرہم ائمہ محض انتساب میں شافعی تھے اور حقیقۃً مجتہد مطلق۔"

اور اسی میں لکھا:

"بے شک جو منصف مزاج ہے وہ ہرگز امام شعرانی کے منصبِ کامل اجتہاد میں کلام نہیں کر سکتا۔"

بہت بہتر، کاش! اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیتے کہ: کلام کرے یا ان اقراروں سے پھرے تو اسے مکہ معظّمہ میں ترکی پاشا کا حوالہ دیکھیے خود حضرت کے اقراروں سے ثابت ہو گیا کہ: ان پانچوں اماموں کا قول بھی ہرگز گمرہی نہیں ہو سکتا اور جو ان کے فرمان پر چلے اصلاً مورد اعتراض نہیں جو اسے بدعتی کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار و رہبان پرست ہے۔ اب حضرت سے کہیے: ذرا آنکھ کھول کر دیکھو غیر مقلدی بے چاری کا سویرا ہو گیا، ملاحظہ تو ہو کہ یہی امام مجتہد شعرانی انھیں چاروں امام مجتہد سے اپنی "میزان" مبارک میں کس زور شور سے وجوبِ تقلید شخصی نقل فرماتے اور اسے مقبول و مسلّم رکھتے ہیں: حیث قال علیه رحمة ذي الجلال:

"به صرّح إمام الحرمين وابن السمعاني والغزالي والكيّا هراسي وغيرهم وقالوا: لتلامذتهم يجب عليكم التقيُّد بمذهب إمامكم ولا عذر لكم عند الله تعالىٰ في العدول عنه.

"یعنی اسی کی تصریح کی امام الحرمین و ابن السمعانی و غزالی و کیا ہراسی و غیرہم ائمہ نے اور اپنے شاگردوں سے فرمایا: "تم پر واجب ہے کہ خاص اپنے امام کے مذہب کا پابند رہنا اگر ان کے مذہب سے عدول کیا تو خدا کے حضور تمھارے لیے کوئی عذر نہ ہو گا۔"

اب ایمان سے کہنا وجوب تقلید شخصی کی حقانیت کس شد و مد سے ثابت ہوئی اور سارے غیر مقلدین کہ اسے بدعت و ضلالت کہتے ہیں کیسے علانیہ خبیث، بدعتی، احبار و رہبان پرست ٹھہرے۔ "والحمد لله رب العالمين وقيل بعدًا للقوم الظالمين." واقعی سنت الٰہیہ ہے کہ گمراہوں پر خود انھیں کے قول سے حجت قائم فرماتا ہے:

(۶) ومنها علی بطلانها شواهد[1]

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمۃ والرضوان تقلید شخصی کے وجوب کے منکرین غیر مقلدین کے سارے دین پر عمل کا شدید محاسبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”غیر مقلد صاحبوں کے پرانے پیشوا داؤد ظاہری کے نزدیک تو جورو کی بیٹی حلال ہے جب کہ اپنے گود میں نہ پلی ہو یوں غیر مقلدہ نے اپنے سوتیلے باپ غیر مقلد سے نکاح کرلیا پھر دن چڑھے ایک دوسرے غیر مقلد صاحب تشریف لائے اور اس نوجوان آفتِ جان سے فرمایا کہ: یہ نکاح باجماع ائمۂ اربعہ باطل محض ہوا تو ہنوز بے شوہر ہے اب مجھ سے نکاح کرلے غیر مقلدہ بولی کہ: ہمارے مذہب کے مطابق تو ہوا ہے اس پر وہابی مولوی صاحب نے بکمالِ شفقت فرمایا کہ: بیٹی ایک ہی مذہب پر جمنا نہ چاہیے اس میں شریعت پر عمل ناقص رہتا ہے بلکہ وقتاً فوقتاً ہر مذہب پر عمل ہو کہ ساری شریعت پر عمل حاصل ہو۔ غیر مقلدہ بولی کہ: اچھا مگر نکاح کو تو گواہ درکار ہیں وہ اس وقت کہاں؟ کہا: اے نادان لڑکی! مذہب امام مالک میں گواہوں کی حاجت نہیں، میں اور تو اس پر عمل کر کے نکاح کرلیں پھر بعد کو اعلان کر دیں گے۔ چنانچہ یہ دوسرا نکاح ہوگیا۔ دوپہر کو تیسرے غیر مقلد صاحب تشریف لائے کہ لڑکی تو اب بھی بے نکاحی ہے ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک اور خود حدیث کے حکم سے بے گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا حدیث میں ایسیوں کو زانیہ فرمایا میں دو گواہ لے کر آیا ہوں مجھ سے نکاح کرلے اس نے کہا: اس وقت میرا ولی موجود نہیں، وہابی مولوی صاحب نے فرمایا: بیٹی تو نہیں جانتی ہے کہ حنفی مذہب میں جوان عورت کو ولی کی حاجت نہیں ہم اس وقت مذہب حنفی کا اتباع کرتے ہیں اُس پارسا کو تو ساری شریعت پر عمل کرنا لہٰذا یہ تیسرا نکاح کرلیا۔ تیسرے پہر کو چوتھے غیر مقلد صاحب آدھمکے کہ بیٹی! تو اب بھی بے شوہر ہے حدیث فرماتی ہے کہ: بے ولی کے نکاح نہیں ہوتا اور یہی مذہب امام شافعی وغیرہ بہت ائمہ کا ہے میں تیرے ولی کو لے آتا ہوں کہ اب شرعی نکاح مجھ سے ہوجائے اس نے کہا: تم میرے کفو نہیں، نسب میں گھٹ کر ہو کہا: تیرا ولی راضی ہے تو بھی راضی ہوجا تو پھر غیر کفو

---

(۱) الفضل الموہبی، ص: ۴۰، ۱۴، ناشر: رضا اکیڈمی، ممبئی.

سے نکاح اکثر ائمہ کے نزدیک جائز ہے اُسے تو پوری شریعت پر چلنا غرض چوتھا نکاح ان سے کیا۔ نچوڑ کے وقت دو گھڑی دن رہے پانچویں غیر مقلد صاحب بڑی تزک سے چمکے کہ بیٹی تو اب بھی کواری ہے ہمارے بڑے گرو ابن عبد الوہاب نجدی و ابن القیم و ابن تیمیہ صاحبان سب حنبلی تھے حنبلی مذہب میں غیر کفو سے نکاح صحیح نہیں اگرچہ عورت و ولی دونوں راضی ہوں یہ چوتھا تیسرا کفونہ تھا اب مجھ سے نکاح کر غیر مقلدہ سجدۂ شکر میں گری کہ خدا نے چار ہی پہر میں پانچوں مذہب کی پیروی دے کر ساری شریعت پر عمل کرا دیا یہ کہہ کر پانچویں بار ان سے نکاح کر لیا۔

اب وہابی صاحب فرمائیں کہ وہ وہابیہ ایک کی جورو ہے یا پانچوں کی؟ اگر ایک کی ہے تو باقیوں کو اس ایک ہی مذہب کی پابندی پر کس آیت یا حدیث صحیح نے مجبور کیا ہے؟ وہ کیوں نہیں مذاہب مختلفہ پر عمل کر کے اسے دوسروں کے لیے غیر محصنہ اور ہر ایک اپنی جورو نہیں سمجھ سکتے؟ اور وہ بے چاری وہابیت کی ماری کیوں پوری شریعت پر عمل سے روکی جا رہی ہے؟ اور اگر ہاں اجازت ہے کہ لا مذہبی کی بدولت پانچوں صاحب اسے جورو جانیں اور وہ پارسا نازنین پوری شریعت پر عمل کرنے کو ہر شوہر کی باری میں ظاہری، مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی پانچوں مذہب پر عمل کرتی کراتی رہے تو ہم کیا عرض کریں مگر اپنے ہی ہم مذہب کی بنائی ہوئی کتھا کا وہ مستزاد یاد کر لیجیے کہ۔

درو پدی رانی مہا بھوانی ارجن جی کی ناری   پانچوں پنڈے تنکو بھوگیں اپنی اپنی باری

کہو یہ کون دھرم ہے؟ ”وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ“(۱)

عمل بالحدیث کا دعویٰ کرنے والے غیر مقلدین اگر سارے دین پر عمل کے دعویٰ میں سچے ہیں تو بتائیں کہ یہاں سارے دین پر عمل کرتے ہیں یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟ جب کسی ایک مسئلہ میں چاروں اماموں کی رائیں مختلف ہیں تو ایک مسئلہ میں کسی ایک امام کی رائے یا ان کا مشرب لے لینے سے سارے دین پر کیسے عمل ہو جاتا ہے؟ کیا عمل بالحدیث اور سارے دین پر عمل یہی ہے کہ اپنی خواہش نفس کے مطابق ہر ہر امام سے ایک مسئلہ

---

(۱) الفضل الموهبي، ص:۴۳ تا ۴۵، ناشر: رضا اکیڈمی، ممبئی۔

لے لیا جائے اور جہاں خواہشِ نفس کے مطابق نہ ملے من مانی اجتہاد کیا جائے؟ آتا جاتا خاک نہیں اور اجتہاد کا دعویٰ کیا جاتا ہے اجتہاد کے لیے جو علوم درکار ہیں کیا تمھاری پوری برادری میں کسی کے پاس ہے اگر تمھاری برادری میں کسی کے اندر یہ صلاحیت ہوتی تو اجتہاد و استخراج کو چھوڑ کر اخذ و سرقہ سے کام نہ لیا جاتا بلکہ مجتہدین کی شان و صفت یہ ہوتی ہے کہ اس کی اجتہادی قوت جس نتیجہ پر پہنچتی ہے اسے اپنا مذہب قرار دیتا ہے نہ کہ اخذ و سرقہ سے کام لیتا ہے تمھارے سب سے بڑے محدث، علامۃ الدہر، مجتہد العصر میاں نذیر حسین دہلوی کی حدیث دانی امام احمد رضا قدس سرہ نے صرف ایک ہی مسئلہ میں اس طرح چاک فرمائی کہ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے جب صرف ایک مسئلہ میں مجتہد العصر کا یہ حال ہے تو دوسرے نام نہاد مجتہدوں کا کیا حال ہوگا اس کے لیے علمائے اہل سنت کی کتابوں کا مطالعہ کریں حقیقت خود بخود کشا ہو جائے گی کہ تقلید ائمہ کے یہ دشمن محض جاہل مطلق ہیں ان میں اجتہاد کی صلاحیت قطعاً نہیں ہوتی اگر ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک امام معین کی تقلید شرک و بدعت و ضلالت ہے تو امام الحرمین ابن السمعانی کیاہراسی وغیرہم کے بارے میں تمھارے امام معتمد میاں نذیر حسین دہلوی نے یہ لکھا کہ: محض انتساب میں شافعی تھے اور حقیقۃً مجتہد مطلق" انھوں اپنے شاگردوں سے یہ فرمایا کہ:

"یجب علیکم التقید بمذهب إمامکم ولا عذر لکم عند الله تعالیٰ في العدول عنه."

"تم پر اپنے امام معین کے مذہب کا پابند رہنا واجب ہے اور اس سے عدول کرنے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمھارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔"

کیا انھوں نے تقلید شخصی کے وجوب کی تاکید و تعلیم فرما کر شرک و بدعت کی تاکید و تعلیم فرمائی؟ نیز امام شعرانی نے اپنی کتاب "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں اسے نقل فرمایا اور اسے مقبول و مسلم رکھا کیا انھوں نے ایک شرک کو نقل فرمایا اور اسے مقبول و مسلم رکھا؟

پھر جب حضرت ہذیل بن شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جسے امام بخاری، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا جس میں یہ ہے کہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے ایک مسئلہ پوچھا گیا پھر وہی مسئلہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا۔ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ کی بھی ان کو خبر دی تو آپ نے دوسرے طریقہ سے فتویٰ دیا پھر آپ کے فتویٰ کی خبر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی گئی تو آپ نے فرمایا:

”لا تسألوني مادام هذا الحبر فيكم“

”جب تک یہ عالم متبحر تم لوگوں میں موجود ہیں تم مجھ سے نہ پوچھنا۔“

کیا اس حدیث پاک میں تقلید شخصی کے وجوب کی تاکید شدید نہیں ہے؟ کیا آپ نے یہ نہ فرمایا کہ: جب تک یہ عالم متبحر تمھارے درمیان جلوہ آرا ہیں میری طرف رجوع نہ کرنا بلکہ صرف انھیں کی طرف رجوع کرنا اور ان کے فتویٰ پر عمل کرنا، انھیں کو مقلد بنانا، انھیں کا مقلد رہنا۔

نبی پاک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو کیا اہل یمن کو ان کے فیصل کردہ مسائل کی تقلید و اتباع کو لازم نہ فرمایا کہ قاضی کو ولایت الزام حاصل ہے؟ کیا آپ نے اہلِ یمن کو ان کی طرف رجوع پھر تقلید و عمل کی دعوت دے کر شرک و بدعت کی دعوت بخشی؟

اس سے یہ روشن ہوا کہ تقلید انسانی زندگی کا جزو لاینفک ہے تقلید کے بغیر انسانی زندگی کا کارواں آگے نہیں بڑھ سکتا جس طرح دنیاوی امور میں انسان کو تقلید سے چارۂ کار نہیں اسی طرح دینی امور میں بھی تقلید سے مفر نہیں تقلید کی فرضیت اور اس کا وجوب ایسا قطعی ہے کہ منکرین تقلید کے پیشوائے اعظم میاں نذیر حسین دہلوی کو بھی ”معیار“ میں یہ لکھنا پڑا:

”سو جو کوئی اہل ایسے ذکر کا ہوگا عموماً خواہ کوئی ہو اس کا اتباع وقت لاعلمی واجب ہوگا۔“

حاصل یہ ہے کہ آج بھی اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے مگر اجتہاد کے لیے جن شرطوں کی ضرورت ہے آج وہ کسی شخص میں پائی نہیں جاتیں آج اگر کوئی شخص دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے اس لیے اس زمانہ میں ہر خاص و عام، عالم و غیر عالم سب پر تقلید شخصی واجب ہے وہ بھی اس قید کے ساتھ کہ چاروں مشہور اماموں میں سے کسی ایک معین امام کی، اس لیے کہ صرف انھیں کے مذاہب لائق اعتماد اور قابل عمل ہیں ان کے علاوہ کسی اور امام کی تقلید

ممنوع ہے اس لیے کہ ان کے مذاہب اتنی احتیاط اور جامعیت کے ساتھ موجود نہیں کہ ان کی اتباع کی جائے ان مذاہب اربعہ سے باہر ہونے والا بدعتی جہنمی ہے اس لیے کہ فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت ان چاروں مذاہب میں منحصر ہو گیا، امام اہل سنت مجدد دین و ملت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"آخر اتنا تو اجلی بدیہیات سے ہے جس کا انکار کہ صدہا برس سے لاکھوں اولیا، علما، محدثین، فقہا، عامۂ اہل سنت و اصحاب ہدیٰ غاشیۂ تقلید ائمۂ اربعہ اپنے دوش ہمت پر اٹھائے ہوئے ہیں جسے دیکھو کوئی حنفی، کوئی شافعی، کوئی مالکی، کوئی حنبلی یہاں تک کہ فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت ان چاروں مذاہب میں منحصر ہو گیا جیسا کہ اس کی نقل سید علامہ احمد مصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے شروع دلیل اول میں گزری۔" (۱)

نیز فرماتے ہیں:

"مذاہب اربعہ اہل سنت سب رشد و ہدایت ہیں جو ان میں سے جس کی پیروی کرے عمر بھر اسی کا پیرو رہے کبھی کسی مسئلے میں اس کے خلاف نہ چلے وہ ضرور صراط مستقیم پر ہے اس پر شرعاً کوئی الزام نہیں، ان میں سے ہر مذہب انسان کے لیے نجات کو کافی ہے، تقلید شخصی کو شرک یا حرام ماننے والے گمراہ، ضالین، متبع غیر سبیل المومنین ہیں۔" (۲)

بعض لوگ اس مقام پر یہ شبہہ وارد کرتے ہیں کہ تقلید شخصی خلاف دین ہے، اس لیے کہ حدیث پاک میں ہے: "الدین یسر" دین آسان ہے اور کسی ایک معین امام کے مذہب کی پابندی میں دشواری ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: دین کے آسان ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ: اس میں نفس کو کوئی پریشانی اور دشواری نہیں ورنہ آیت کریمہ: " اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ "(۳) (اور بیشک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں) کا کیا معنیٰ ہے؟ کیا گرمیوں

---

(۱) فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:٦، ص: ۷۰۵، رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۲) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۱، ص: ۳۱۱، اطائب الصیّب علی أرض الطیّب، رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۳) پ:۱، آیت:۴۵

کے روزہ میں دشواری نہیں ہوتی؟ کیا سردیوں کے وضو میں نفس ک مشقت نہیں ہوتی؟ کیا بحالتِ سفر نماز میں مشقت نہیں؟ بلکہ اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ: دین میں کوئی ایسا حکم نہیں جو انسانی طاقت و قوت سے باہر ہو جیسا کہ خود اللہ عزوجل کا ارشاد پاک ہے: "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا" (اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر) (۱)

جب اللہ رب العزت نے بندہ کو اس کی طاقت و قوت کے اعتبار سے تکلیف بخشی ہے تو بندہ پر ایسا بار نہ ڈالا جس کی اس میں طاقت و قوت نہ ہو جس کے سبب وہ مشقت اور دشواری میں مبتلا ہو تو بندہ کے لیے اس اعتبار سے دین میں آسانی ہے نہ کہ دشواری جیسا کہ اس دشواری کا ذکر قرآنِ کریم کی اس آیت پاک میں ہے:

"وَ لَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا" (اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا) (۲)

جب دین کی آسانی کا معنٰی یہ ہے تو مطلق دشواری مراد لے کر تقلید شخصی کو خلافِ دین کہنا سراسر دیانت کے خلاف ہے۔

☆☆☆☆☆

(۱) پ: ۳، البقرہ، آیت ۲۸۶

(۲) پ: ۳، البقرہ، آیت ۲۸۶۔